اصلاحی خطبات

جلد ۴

- اولاد کی اصلاح و تربیت
- غیبت - ایک عظیم گناہ
- تعلق مع اللہ کا طریقہ
- حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیرِ بیت اللہ
- اسلام اور انسانی حقوق
- والدین کی خدمت
- سونے کے آداب
- زبان کی حفاظت کیجئے
- وقت کی قدر کریں
- شبِ براءت کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

غزالی

اِصلاحی خُطبات

۴

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ☜ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ☜ محمد عبداللہ میمن صاحب

تاریخ اشاعت ☜ ستمبر ۱۹۹۴ء

مقام ☜ جامع مسجد بیت المکرم گلشنِ اقبال کراچی

باہتمام ☜ ولی اللہ میمن صاحب

ناشر ☜ میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ ☜ عبدالماجد پراچہ (فون: 0333-2110941)

حکومتِ پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر ۱۳۵۰۷

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- اقبال بک سینٹر صدر کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّابَعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب تقریباً چار سو سے زائد ہوگئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ ''اصلاحی

خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں، اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ ''اصلاحی خطبات'' کی چوتھی جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد ثالث کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد رابع کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد للہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آ گئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد رابع کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی اور مفید مشورے دیئے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن
میمن اسلامک پبلشرز

صفحہ	عنوان

اجمالی فہرست خطبات

عنوان	صفحہ

تفصیلی فہرست مضامین

(۳۰) اولاد کی اصلاح و تربیت

صفحہ	عنوان
۳۷	۲۰ ...... اللہ والوں کو گناہ نظر آتے ہیں۔
۳۷	۲۱ ...... یہ دنیا گناہوں کی آگ سے بھری ہوئی ہے۔
۳۸	۲۲ ...... پہلے خود نماز کی پابندی کریں
۳۸	۲۳ ...... بچوں کے ساتھ جھوٹ مت بولو۔
۳۹	۲۴ ...... بچوں کو تربیت دینے کا انداز
۴۰	۲۵ ...... بچوں سے محبت کی حد
۴۱	۲۶ ...... حضرت شیخ الحدیث کا ایک واقعہ
۴۱	۲۷ ...... کھانا کھانے کا ادب
۴۲	۲۸ ...... یہ اسلامی آداب ہیں۔
۴۳	۲۹ ...... سات سال سے پہلے تعلیم
۴۳	۳۰ ...... گھر کی تعلیم دیدو
۴۵	۳۱ ...... قاری فتح محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ
۴۵	۳۲ ...... بچوں کو مارنے کی حد
۴۶	۳۳ ...... بچوں کو مارنے کا طریقہ
۴۷	۳۴ ...... بچوں کو تربیت دینے کا طریقہ
۴۷	۳۵ ...... تم میں سے ہر شخص نگران ہے
۴۸	۳۶ ...... اپنے ماتحتوں کی فکر کریں
۴۹	۳۷ ...... صرف دس منٹ نکال لیں

(۳۱) والدین کی خدمت

صفحہ	عنوان
۵۴	۱ ...... حقوق العباد کا بیان
۵۴	۲ ...... افضل عمل کونسا؟
۵۵	۳ ...... نیک کاموں کی حرص

صفحہ	عنوان
۵۵	۴ ...... افسوس، میں نے بہت سے قیراط ضائع کر دیئے۔
۵۶	۵ ...... سوال ایک، جواب مختلف
۵۷	۶ ...... ہر شخص کے لئے افضل عمل جدا ہے
۵۸	۷ ...... نماز کی افضلیت
۵۸	۸ ...... جہاد کی افضلیت
۵۹	۹ ...... والدین کا حق
۶۰	۱۰ ...... بے غرض محبت
۶۰	۱۱ ...... والدین کی خدمت
۶۱	۱۲ ...... اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں
۶۲	۱۳ ...... یہ دین نہیں ہے
۶۳	۱۴ ...... حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ
۶۴	۱۵ ...... صحابیت کا مقام
۶۵	۱۶ ...... ماں کی خدمت کرتے رہو
۶۵	۱۷ ...... ماں کی خدمت کا صلہ
۶۶	۱۸ ...... صحابہ کی جانثاری
۶۸	۱۹ ...... والدین کی خدمت گزاری کی اہمیت
۶۸	۲۰ ...... جب والدین بوڑھے ہو جائیں
۶۹	۲۱ ...... سبق آموز واقعہ
۷۰	۲۲ ...... والدین کے ساتھ حسن سلوک
۷۱	۲۳ ...... والدین کی نافرمانی کا وبال
۷۱	۲۴ ...... عبرت ناک واقعہ
۷۲	۲۵ ...... علم کے لئے والدین کی اجازت
۷۲	۲۶ ...... جنت حاصل کرنے کا آسان راستہ
۷۳	۲۷ ...... والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت

(۳۳) سونے کی آداب

صفحہ	عنوان

(۳۴) تعلق مع اللہ کا آسان طریقہ

(۳۵) زبان کی حفاظت کیجئے

(۳۷) وقت کی قدر کریں

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

اولاد کی اصلاح و تربیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۷ر جولائی ۱۹۹۲ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دیندار ہے۔ نمازوں کا اہتمام ہے۔ صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، لیکن اس کے بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ کہیں جا رہا ہے۔ وہ کہیں جا رہے ہیں اس کا رخ مشرق کی طرف ہے، ان کا رخ مغرب کی طرف ہے، بیوی بچے گناہوں کے سیلاب میں بہہ رہے ہیں۔ مگر یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہو کر با جماعت نماز ادا کرتا ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اولاد کی اصلاح و تربیت

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ ونؤمن بہ و نتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سید نا و نبینا ومولانا محمّداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا - امابعد!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ. یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُھَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ عَلَیۡھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَھُمۡ وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ۔

(سورۃ التحریم:۶)

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے اس کتاب "ریاض الصالحین" میں ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، جس کے ذریعہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انسان کے ذمے صرف خود اپنی اصلاح ہی واجب نہیں ہے، بلکہ اپنے گھر والوں، اپنے بیوی بچوں اور اپنے ماتحت جتنے بھی افراد ہیں، ان کی اصلاح کرنا ان کو دین کی طرف لانے کی کوشش کرنا، ان کو فرائض و واجبات کی ادائیگی کی تاکید کرنا، اور گناہوں سے اجتناب کی تاکید کرنا بھی انسان کی ذمے فرض ہے اس مقصد کے تحت یہ باب قائم فرمایا ہے، اور اس میں کچھ آیات قرآنی اور کچھ احادیث نبوی نقل کی ہیں۔

خطاب کا پیارا عنوان

یہ آیت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، یہ در حقیقت اس باب کا بنیادی عنوان ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا:

یعنی اے ایمان والو۔۔۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کرنے کے لئے جگہ جگہ "یا ایھا الذین آمنوا" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ "یا ایھا الذین آمنوا" کا عنوان جو اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے استعمال فرماتے ہیں۔ یہ بڑا پیارا عنوان ہے، یعنی اے ایمان والو، اے وہ لوگو جو ایمان لائے، اس خطاب میں بڑا پیار ہے، اس لئے کہ خطاب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کا نام لے کر خطاب کیا جائے، اے فلاں اور خطاب کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو اس رشتے کا حوالہ دے کر خطاب کیا جائے جو خطاب کرنے والے کا اس سے قائم ہے، مثلاً ایک باپ اپنے بیٹے کو بلائے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس بیٹے کا نام لے کر اس کو پکارے کہ اے فلاں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کو "بیٹا" کہہ کر پکارے کہ اے بیٹے، ظاہر ہے کہ بیٹا کہہ کر پکارنے میں جو پیار، جو شفقت اور جو محبت ہے، اور سننے کے لئے اس میں جو لطف ہے، وہ پیار اور لطف نام لے کر پکارنے میں نہیں ہے،

لفظ "بیٹا" ایک شفقت بھرا خطاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس اللہ سرہ، اتنے بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ ہم نے تو ان کو اس وقت دیکھا تھا جب پاکستان میں تو کیا، ساری دنیا میں علم و فضل کے اعتبار سے ان کا ثانی نہیں تھا۔ ساری دنیا میں ان کے علم و فضل کا لوہا مانا جاتا تھا، کوئی ان کو "شیخ الاسلام" کہہ کر مخاطب کرتا، کوئی ان کو "علامہ" کہہ کر مخاطب کرتا، بڑے تعظیمی القاب ان کے لئے استعمال کئے جاتے تھے، کبھی کبھی وہ ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، اس وقت ہماری دادی بقید حیات تھیں، ہماری دادی صاحبہ رشتے میں حضرت علامہ کی ممانی لگتی تھیں، اس لئے وہ ان کو "بیٹا" کہہ کر پکارتی تھیں، اور ان کو دعا دیتی تھیں کہ "بیٹا! جیتے رہو" جب ہم ان کے منہ سے یہ الفاظ اتنے بڑے علامہ کے لئے سنتے، جنہیں دنیا "شیخ الاسلام" کے لقب سے پکار رہی تھی تو اس وقت ہمیں بڑا اچھنبا محسوس ہوتا تھا، لیکن علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت مفتی صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے گھر میں دو مقصد سے آتا ہوں۔

ایک یہ کہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات، دوسرے یہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مجھے "بیٹا" کہنے والا سوائے ان خاتون کے کوئی اور نہیں ہے، صرف یہ خاتون مجھے بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں، اس لئے میں بیٹا کا لفظ سننے کے لئے آتا ہوں، اس کے سننے میں جو لطف اور پیار محسوس ہوتا ہے وہ مجھے کوئی اور لقب سننے میں محسوس نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدر اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کہنے والے کے جذبے سے آشنا ہو، وہ اس کو جانتا ہے کہ مجھے یہ جو "بیٹا" کہہ کر پکارا جا رہا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے، ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان یہ لفظ سننے کو ترس جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے "یا ایھا الذین آمنوا" کا خطاب کر کے اس رشتے کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو ہر صاحب ایمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو "بیٹا"

کہہ کر پکارے، اور اس لفظ کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آگے جو بات باپ کہہ رہا ہے وہ شفقت، محبت اور خیر خواہی سے بھری ہوئی ہے ــ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ ان الفاظ سے مسلمانوں کو خطاب فرمارہے ہیں۔ انہی جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

آیات کا ترجمہ:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

اے ایمان والوں! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ، وہ آگ کیسی ہے؟ آگے اس آگ کی صفت بیان فرمائی کہ اس آگ کا ایندھن لکڑیاں اور کوئلے نہیں ہے، بلکہ اس آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اور اس آگے کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے غلیظ اور تندخو ہیں سخت مزاج ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو جس بات کا حکم دیتے ہیں، وہ اس حکم کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی کہ بس اپنے آپ کو آگ سے بچا کر بیٹھ جاؤ، اور اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ بس میرا کام ختم ہوگیا، بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی آگ سے بچانا ضروری ہے آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دیندار ہے، نمازوں کا اہتمام ہے، صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اللہ کے راستے میں مال خرچ کر رہا ہے، اور جتنے اوامر و نواھی ہیں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن اس کے گھر کو دیکھو، اس کی اولاد کو دیکھو، بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ

کہیں جارہا ہے، وہ کہیں جارہے ہیں، اس کا رخ مشرق کی طرف ہے، ان کا رخ مغرب کی طرف ہے، ان میں نہ نماز کی فکر ہے، نہ فرائض دینیہ کو بجالانے کا احساس ہے، اور نہ گناہوں کو گناہ سمجھنے کی فکر ہے، بس: گناہوں کے سیلاب میں بیوی بچے بہہ رہے ہیں، اور یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہوتا ہوں، اور با جماعت نماز ادا کرتا ہوں، خوب سمجھ لیں۔ جب اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کی فکر نہ ہو، خود انسان کی اپنی نجات نہیں ہو سکتی، انسان یہ کہہ کر جان نہیں بچا سکتا کہ میں تو خود اپنے عمل کا مالک تھا، اگر اولاد دوسری طرف جارہی تھی تو میں کیا کرتا، اس لئے کہ ان کو بچانا بھی تمہارے فرائض میں شامل تھا، جب تم نے اس میں کوتاہی کی تو اب آخرت میں تم سے مواخذہ ہو گا۔

اگر اولاد نہ مانے تو!

آس آیت میں قرآن کریم نے فرمایا کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، در حقیقت اس میں ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا جو شبہ عام طور پر ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے وہ شبہ یہ ہے کہ آج جب لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی اولاد کو بھی دین کی تعلیم دو، کچھ دین کی باتیں ان کو سکھاؤ، ان کو دین کی طرف لاؤ، گناہوں سے بچانے کی فکر کرو، تو اس کے جواب میں عام طور پر بکثرت لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اولاد کو دین کی طرف لانے کی بڑی کوشش کی، مگر کیا کریں کہ ماحول اور معاشرہ اتنا خراب ہے کہ بیوی بچوں کو بہت سمجھایا، مگر وہ مانتے نہیں ہیں اور زمانے کی خرابی سے متاثر ہو کر انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے، اور اس راستے پر جارہے ہیں۔ اور راستہ بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں،۔ اب ان کا عمل ان کے ساتھ ہے ہمارا عمل ہمارے ساتھ ہے، اب ہم کیا کریں۔ اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی تو آخر کافر رہا، اور حضرت نوح علیہ السلام اس کو طوفان سے نہ بچاسکے، اسی طرح ہم نے بہت کوشش کر لی ہے، وہ نہیں مانتے تو ہم کیا کریں؟

دنیاوی آگ سے کس طرح بچاتے ہو؟

چنانچہ قرآن کریم نے اس آیت میں "آگ" کا لفظ استعمال کر کے اس اشکال اور شبہ کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ کہ یہ بات ویسے اصولی طور پر تو ٹھیک ہے کہ اگر ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی ہے تو انشاء اللہ ماں باپ پھر بری الذمہ ہو جائیں گے، اور اولاد کے کئے کا وبال اولاد پر پڑے گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ماں باپ نے اولاد کو بے دینی سے بچانے کی کوشش کس حد تک کی ہے؟ اور کس درجے تک کی ہے؟ قرآن کریم نے "آگ" کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ماں باپ کو اپنی اولاد کو گناہوں سے اس طرح بچانا چاہئے جس طرح ان کو آگ سے بچاتے ہیں۔

فرض کریں کہ ایک بہت بڑی خطرناک آگ سلگ رہی ہے، جس آگ کے بارے میں یقین ہے کہ اگر کوئی شخص اس آگ کے اندر داخل ہو گیا تو زندہ نہیں بچے گا، اب آپ کا نادان بچہ اس آگ کو خوش منظر اور خوبصورت سمجھ کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اب بتاؤ تم اس وقت کیا کرو گے؟ کیا تم اس پر اکتفا کرو گے کہ دور سے بیٹھ کر بچے کو نصیحت کرنا شروع کر دو کہ بیٹا! اس آگ میں مت جانا۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہوتی ہے۔ اگر جاؤ گے تو تم جل جاؤ گے، اور مر جاؤ گے؟ کیا کوئی ماں باپ صرف زبانی نصیحت پر اکتفا کرے گا؟ اور اس نصیحت کے باوجود اگر بچہ اس آگ میں چلا جائے تو کیا وہ ماں باپ یہ کہہ کر بری الذمہ ہو جائیں گے کہ ہم نے تو اس کو سمجھا دیا تھا۔ اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اس نے نہیں مانا اور خود ہی اپنی مرضی سے آگ میں کود گیا تو میں کیا کروں؟ دنیا میں کوئی ماں باپ ایسا نہیں کریں گے، اگر وہ اس بچے کے حقیقی ماں باپ ہیں تو اس بچے کو آگ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر ان کی نیند حرام ہو جائیگی، ان کی زندگی حرام ہو جائے گی اور جب تک اس بچے کو گود میں اٹھا کر اس آگ سے دور نہیں لے جائیں گے، اس وقت تک ان کو چین نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ جب تم اپنے بچے کو دنیا کی معمولی سی آگ سے بچانے کے لئے صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا نہیں کرتے تو جہنم کی وہ آگ جس کی حدو نہایت نہیں، اور جس کا دنیا میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس آگ سے بچے کو بچانے کے

لئے زبانی جمع خرچ کو کافی کیوں سمجھتے ہو؟ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم نے انہیں سمجھا کر اپنا فریضہ ادا کر لیا، یہ بات آسانی سے کہنے کی نہیں ہے۔

آج دین کے علاوہ ہر چیز کی فکر ہے

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی جو مثال دی جاتی ہے کہ ان کا بیٹا کافر رہا، وہ اس کو آگ سے نہیں بچا سکے یہ بات درست نہیں اس لئے کہ یہ بھی تو دیکھو کہ انہوں نے اس کو راہ راست پر لانے کی نو سو سال تک لگاتار کوشش کی، اس کے باوجود جب راہ راست پر نہیں آیا تو اب ان کے اوپر کوئی مطالبہ اور کوئی مواخذہ نہیں ــ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ایک دو مرتبہ کہا اور پھر فارغ ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم نے تو کہہ دیا، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ ان کو گناہوں سے اسی طرح بچاؤ جس طرح ان کو حقیقی آگ سے بچاتے ہو، اگر اس طرح نہیں بچا رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فریضہ ادا نہیں ہو رہا ہے۔ آج تو یہ نظر آ رہا ہے کہ اولاد کے بارے میں ہر چیز کی فکر ہے، مثلاً یہ تو فکر ہے کہ بچے کی تعلیم اچھی ہو، اس کا کیریئر اچھا بنے یہ فکر ہے کہ معاشرے میں اس کا مقام اچھا ہو، یہ فکر تو ہے کہ اس کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام اچھا ہو جائے، لیکن دین کی فکر نہیں۔

تھوڑا سا بے دین ہو گیا ہے

ہمارے ایک جاننے والے تھے، جو اچھے خاصے پڑھے لکھے تھے۔ دیندار اور تہجد گزار تھے، ان کے لڑکے نے جدید انگریزی تعلیم حاصل کی، جس کے نتیجے میں اس کو کہیں اچھی ملازمت مل گئی ایک دن وہ بڑی خوشی کے ساتھ بتانے لگے کہ ماشاء اللہ ہمارے بیٹے نے اتنا پڑھ لیا، اب ان کو ملازمت مل گئی اور معاشرے میں اس کو بڑا مقام حاصل ہو گیا، البتہ تھوڑا سا بے دین تو ہو گیا، لیکن معاشرے میں اس کا کیریئر بڑا شاندار بن گیا ہے۔

اب اندازہ لگائیے کہ ان صاحب نے اس بات کو اس طرح بیان کیا کہ "وہ بچہ ذرا سا بے دین تو ہو گیا۔ مگر اس کا کیریئر بڑا شاندار بن گیا" معلوم ہوا کہ بے دین ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے، بس ذرا سی گڑبڑ ہو گئی ہے، حالانکہ وہ صاحب خود بڑے دیندار

اور تہجد گزار آدمی تھے،

"جان" تو نکل گئی ہے

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا، لیکن لوگ اس کو زندہ سمجھ رہے تھے، چنانچہ لوگوں نے ڈاکٹر کو بلایا۔ تاکہ اس کا معائنہ کرے کہ اس کو کیا بیماری ہے؟ یہ کوئی حرکت کیوں نہیں کر رہا ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک آدمی ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک تمام اعضاء ٹھیک ہیں۔ بس ذرا سی جان نکل گئی ہے۔

بالکل اسی طرح ان صاحب نے اپنے بیٹے کے بارے میں کہا کہ "ماشاء اللہ اس کا کیریئر تو بڑا شاندار بن گیا ہے، بس ذرا سا بے دین ہو گیا ہے۔ "گویا کہ "بے دین" ہونا کوئی ایسی بات نہیں جس سے بڑا نقص پیدا ہوتا ہو۔

نئی نسل کی حالت

آج ہمارا یہ حال ہے کہ اور ہر چیز کی فکر ہے، مگر دین کی طرف توجہ نہیں، بھائی، اگر یہ دین اتنی ہی ناقابل توجہ چیز تھی تو پھر آپ نے نماز پڑھنے کی اور تہجد گزاری کی اور مسجدوں میں جانے کی تکلیف کیوں فرمائی؟ آپ نے بھی اپنے بیٹے کی طرح اپنا کیریئر بنالیا ہوتا ــــ شروع سے اس بات کی فکر نہیں کہ بچے کو دین کی تعلیم سکھائی جائے آج یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو ایسی نرسری میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں اس کو کتا بلی تو سکھایا جاتا ہے، لیکن اللہ کا نام نہیں سکھایا جاتا، دین کی باتیں نہیں سکھائی جاتیں ــــ اس وقت وہ نسل تیار ہو کر ہمارے سامنے آچکی ہے، اور اس نے زمام اقتدار سنبھال لی ہے ــــ زندگی کی باگ دوڑ اس کے ہاتھ میں آگئی ہے، جس نے پیدا ہوتے ہی اسکول کالج کی طرف رخ کیا، اور ان کے اندر ناظرہ قرآن شریف پڑھنے کی بھی اہلیت موجود نہیں، نماز پڑھنا نہیں آتا ــــ اگر اس وقت پورے معاشرے کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو شاید اکثریت ایسے لوگوں کی ملے جو قرآن شریف ناظرہ نہیں پڑھ سکتے، جنہیں نماز صحیح طریقے سے پڑھنا نہیں آتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ نے یہ فکر تو کی کہ اس کو

کونسے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کیا جائے لیکن دین کی تعلیم کی طرف دھیان اور فکر نہیں۔

آج اولاد ماں باپ کے سر پر سوار ہیں

یاد رکھو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک سنت ہے، جو حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کرے تو اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے ایک مخلوق کو راضی کرنے کے لئے گناہ کیا، اور گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا، تو بالآخر اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں، تجربہ کر کے دیکھو ـــــ

آج ہماری صورت حال یہ ہے کہ اپنی اولاد اور بچوں کو راضی کرنے کی خاطر یہ سوچتے ہیں کہ ان کا کیریئر اچھا ہو جائے، ان کی آمدنی اچھی ہو جائے۔ اور معاشرے میں ان کا ایک مقام بن جائے، ان تمام کاموں کی وجہ سے ان کو دین نہ سکھایا، اور دین نہ سکھا کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی اولاد جس کو راضی کرنے کی فکر تھی۔ وہی اولاد ماں باپ کے سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ آج آپ خود معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ کس طرح اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمانی کر رہی ہے۔ اور ماں باپ کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ماں باپ نے ان کو صرف اس لئے بے دینی کے ماحول میں بھیج دیا، تاکہ ان کو اچھا کھانا پینا میسر آجائے، اور اچھی ملازمت مل جائے، اور ان کو ایسے بے دینی کے ماحول میں آزاد چھوڑ دیا جس میں ماں باپ کی عزت اور عظمت کا کوئی خانہ نہیں ہے، جس میں ماں باپ کے حکم کی اطاعت کا بھی کوئی خانہ نہیں ہے، وہ اگر کل کو اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے، تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں، کہ ہم نے تو اس مقصد کے لئے تعلیم دلائی تھی، مگر اس نے یہ کر لیا ـــ ارے بات اصل میں یہ ہے تم نے اس کو ایسے راستے پر چلایا، جس کے نتیجے میں وہ تمہارے سروں پر مسلط ہو، تم ان کو جس قسم کی تعلیم دلوا رہے ہو، اور جس راستے پر لے جا رہے ہو، اس تعلیم کی تہذیب تو یہ ہے کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو اب وہ گھر میں رکھنے کے لائق نہیں، ان کو نرسنگ ہوم (Nursing Home) میں داخل کر دیا جاتا ہے اور پھر صاحبزادے پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے کہ وہاں ماں باپ کس حال میں ہیں، اور کس چیز کی

ان کو ضرورت ہے۔

باپ "نرسنگ ہوم" میں

مغربی ممالک کے بارے میں تو ایسے واقعات بہت سنتے تھے کہ بوڑھا باپ "نرسنگ ہوم" میں پڑا ہوا ہے، وہاں اس باپ کا انتقال ہو گیا، وہاں کے منیجر نے صاحب زادے کو فون کیا کہ جناب، آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، تو جواب میں صاحب زادے نے کہا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اب آپ براہ کرم ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر دیں۔ اور براہ کرم بل مجھے بھیج دیجئے میں بل کی ادائیگی کر دوں گا ــــ وہاں کے بارے میں تو یہ بات سنی تھی۔ لیکن ابھی چند روز پہلے مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ یہاں کراچی میں بھی ایک "نرسنگ ہوم" قائم ہو گیا ہے۔ جہاں بوڑھوں کی رہائش کا انتظام ہے، اس میں بھی یہی واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کا وہاں انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے کو اطلاع دی گئی، بیٹے صاحب نے پہلے تو آنے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن بعد میں معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو اس وقت فلاں میٹنگ میں جانا ہے۔ اس لئے آپ ہی اس کے کفن دفن کا بندوبست کر دیں، میں نہیں آسکوں گا ــــ یہ وہ اولاد ہے جس کو راضی کرنے کی خاطر تم نے خدا کو ناراض کیا، اس لئے وہ اب تمہارے اوپر مسلط کر دی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ جس مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خدا کو ناراض کرو گے اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو تمہارے اوپر مسلط کر دیں گے۔

جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

جب وہ اولاد سر پر مسلط ہو گئی تو اب ماں باپ بیٹھے رو رہے ہیں کہ اولاد دوسرے راستے پر جا رہی ہے، ارے جب تم نے شروع ہی سے اس کو ایسے راستے پر ڈالا، جس کے ذریعہ اس کا ذہن بدل جائے، اس کا خیال بدل جائے، اس کی سوچ بدل جائے تو اس کا انجام یہی ہونا تھا۔

اندروں قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

پہلے میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر مجھے سمندر کے اندر ڈبو دیا، اس کے بعد کہتے ہو کہ ہوشیار! دامن تر مت کرنا، بھائی :اگر تم نے پہلے اس کو کچھ قرآن شریف پڑھایا ہوتا۔ اس کو کچھ حدیث نبوی سکھائی ہوتی۔ وہ حدیث سکھائی ہوتی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی جب دنیا سے چلا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے لئے کار آمد ہوتی ہیں، ایک علم ہے جسے وہ چھوڑ گیا، جسے سے لوگ نفع اٹھارہے ہیں، مثلاً کوئی آدمی کوئی کتاب تصنیف کر گیا۔ اور لوگ اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں، یاکوئی آدمی علم دین پڑھاتا تھا، اب اس کے شاگرد آگے علم پڑھارہے ہیں، اس سے اس مرنے والے شخص کو بھی فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ یاکوئی صدقہ جاریہ چھوڑ گیا۔ مثلاً کوئی مسجد بنا دی۔ کوئی مدرسہ بنادیا۔ کوئی شفاخانہ بنادیا۔ کوئی کنواں بنادیا۔ اور لوگ اس سے فائدہ اٹھارہے ہیں، ایسے عمل کاثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اور تیسری چیز نیک اولاد ہے، جو وہ چھوڑ گیا۔ وہ اس کے حق میں دعائیں کریں۔ تواس کا عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، کیونکہ ماں باپ کی تربیت کے نتیجے میں اولاد جو کچھ کر رہی ہے، وہ سب باپ کے نامہ اعمال میں لکھا جارہا ہے ــ اگر یہ حدیث پڑھائی ہوتی تو آج باپ کا یہ انجام نہ ہوتا ــ لیکن چونکہ اس راستے پر چلایا ہی نہیں۔ اس لئے اس کا انجام بد آنکھوں کے سامنے ہے۔

حضرات انبیاء اور اولاد کی فکر

بھائی اولاد کو دین کی طرف لانے کی فکر اتنی ہی لازمی ہے جتنی اپنی اصلاح کی فکر لازم ہے، اولاد کو صرف زبانی سمجھانا کافی نہیں۔ جب تک اس کی فکر اس کی تڑپ اسی طرح نہ ہو جس طرح اگر دہکتی ہوئی آگ کی طرف بچہ بڑھ رہا ہو، اور آپ اس کو لپک کر جب تک اٹھا نہیں لیں گے، اس وقت تک آپ کو چین نہیں آئے گا، اسی طرح کی تڑپ یہاں بھی ہونی ضروری ہے ــ پورا قرآن کریم اس حکم کی تاکید سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

(سورہ مریم)

"یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو اپنی ساری اولاد اور بیٹوں کو جمع کیا۔ کوئی شخص اپنی اولاد کو اس فکر کے لئے جمع کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد تمہارا کیا ہو گا؟ کس طرح کماؤ گے؟ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو جمع کر رہے ہیں اور یہ پوچھ رہے ہیں کہ بتاؤ! میرے مرنے کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ ان کو اگر فکر ہے تو عبادت کی فکر ہے۔ بس! اپنی اولاد اپنے اہل و عیال کے بارے میں اس فکر کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، (سورہ بقرہ ۱۳۳)

قیامت کے روز ماتحتوں کے بارے میں سوال ہو گا

بات صرف اہل و عیال کی حد تک محدود نہیں، بلکہ جتنے بھی ماتحت ہیں، جن پر انسان اپنا اثر ڈال سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی جگہ افسر ہے اور کچھ لوگ اس کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن اس شخص سے سوال ہو گا کہ تم نے اپنے ماتحتوں کو دین پر لانے کی کوشش کی تھی؟ ایک استاذ ہے اس کے ماتحت بہت سے شاگرد پڑھتے ہیں۔ قیامت کے روز اس استاد سے سوال ہو گا کہ تم نے اپنے شاگردوں کو راہ راست پر لانے کے سلسلے میں کیا کام کیا؟ ایک مستاجر ہے۔ اس کے ماتحت بہت سے مزدور محنت مزدوری کرتے ہیں، قیامت کے روز اس مستاجر سے سوال ہو گا کہ تم نے اپنے ماتحتوں کو دین پر لانے کے سلسلے میں کیا کوشش کی تھی؟ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته

یعنی تم میں سے ہر شخص راعی اور نگہبان ہے، اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا،

(جامع الاصول: ۵/ ۲۶۳ رقم الحدیث ۳۹۴۶)

یہ گناہ حقیقت میں آگ ہیں

یہ آیت جو شروع میں تلاوت کی، اس آیت کے تحت میرے والد ماجد حضرت

مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، یہ اس طرح کہا جارہا ہے جیسے کہ آگ سامنے نظر آرہی ہے۔ حالانکہ اس وقت کوئی آگ بھڑکتی ہوئی نظر نہیں آرہی ہے۔۔بات دراصل یہ ہے کہ یہ جتنے گناہ ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ یہ سب حقیقت میں آگ ہیں۔ چاہے دیکھنے میں یہ گناہ لذیذ اور خوش منظر معلوم ہو رہے ہوں، لیکن حقیقت میں یہ سب آگ ہیں۔ اور یہ دنیا جو گناہوں سے بھری ہوئی ہے، وہ ان گناہوں کی وجہ سے جہنم بنی ہوئی ہے۔۔ لیکن حقیقت میں گناہوں سے مانوس ہو کر ہماری حس مٹ گئی ہے، اس لئے گناہوں کی ظلمت اور آگ محسوس نہیں ہوتی۔۔ ورنہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ صحیح حس عطافرماتے ہیں اور ایمان کا نور عطافرماتے ہیں۔ ان کو یہ گناہ واقعتہً آگ کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ یا ظلمت کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

حرام کے ایک لقمے کا نتیجہ

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص کی دعوت پر اس کے گھر کھانا کھانے چلا گیا، ابھی صرف ایک لقمہ ہی کھایا تھا کہ یہ احساس ہو گیا کہ کھانے میں کچھ گڑبڑ ہے شاید یہ حلال کی آمدنی نہیں ہے، جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعتہً حلال کی آمدنی نہیں تھی، لیکن وہ حرام آمدنی کا لقمہ نادانستہ طور پر حلق کے اندر چلا گیا۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ میں نے اس پر توبہ استغفار کی۔ لیکن اس کے باوجود دو مہینے تک اس اس حرام لقمے کی ظلمت محسوس ہوتی رہی اور دو ماہ تک بار بار یہ خیال اور وسوسہ آتا رہا کہ فلاں گناہ کر لو فلاں گناہ کر لو، اور گناہ کے داعیے دل میں پیدا ہوتے رہے۔۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے دلوں کو مجلیٰ اور مزکی فرماتے ہیں انہیں ان گناہوں کی ظلمت کا احساس ہوتا ہے۔ ہم لوگ چونکہ ان گناہوں سے مانوس ہو گئے ہیں اس لئے ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔

اندھیرے کے عادی ہو گئے

ہم لوگ یہاں شہروں میں بجلی کے عادی ہو گئے ہیں ہر وقت شہر بجلی کے قمقموں سے جگمگا رہا ہے، اب اگر چند منٹ کے لئے بجلی چلی جائے۔ تو طبیعت پر گراں گزرتا ہے، اس لئے کہ نگاہیں بجلی کی روشنی اور اس کی راحت کی عادی ہیں، جب وہ راحت چھن جاتی ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے، اور وہ ظلمت بہت بری لگتی ہے، البتہ بہت سے دیہات ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگوں نے بجلی کی شکل تک نہیں دیکھی، وہاں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے۔ کبھی بجلی کے قمقمے وہاں جلتے ہی نہیں ہیں ان کو کبھی اندھیرے کی تکلیف نہیں ہوتی، اس لئے کہ انہوں نے بجلی کے قمقموں کی روشنی دیکھی ہی نہیں، البتہ جس نے یہ روشنی دیکھی ہے، اس سے جب یہ روشنی چھن جاتی ہے۔ تو اس کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہی ہماری مثال ہے کہ ہم صبح شام گناہ کرتے رہتے ہیں اور ان گناہوں کی ظلمت کے عادی ہو گئے ہیں، اس لئے اس ظلمت کا احساس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کا نور عطا فرمائے۔ تقویٰ کا نور عطا فرمائے، تب ہمیں معلوم ہو کہ ان گناہوں کے اندر کتنی ظلمت ہے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ گناہ در حقیقت آگ ہی ہیں، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا
إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (النساء: ۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں، وہ در حقیقت اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں اس آیت کے تحت اکثر مفسرین نے یہ فرمایا کہ یہ مجاز اور استعارہ ہے کہ آگ کھا رہے ہیں، یعنی حرام کھا رہے ہیں، جس کا انجام بالآخر جہنم کی آگ کی شکل میں ان کے سامنے آئے گا، لیکن بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ یہ مجاز اور استعارہ نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت ہے یعنی وہ حرام کا جو لقمہ کھا رہے ہیں، وہ واقعی آگ ہے، لیکن اس وقت بے حسی کی وجہ سے آگ معلوم نہیں ہو رہی ہے۔ لہٰذا جتنے گناہ ہمارے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ حقیقت میں آگ ہیں۔ حقیقت میں دوزخ کے انگارے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی بے حسی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔

اللہ والوں کو گناہ نظر آتے ہیں

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو چشم بصیرت عطا فرماتے ہیں، ان کو ان کی حقیقت نظر آتی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں صحیح اور مستند روایتوں میں ہے کہ جس وقت کوئی آدمی وضو کر رہا ہوتا، یا غسل کر رہا ہوتا تو آپ اس کے بہتے ہوئے پانی میں گناہوں کی شکلیں دیکھ لیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں گناہ بہتے ہوئے جا رہے ہیں۔

ایک بزرگ تھے۔ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتے تو چہرے پر کپڑا ڈال لیتے تھے۔ کسی شخص نے ان بزرگ سے پوچھا کہ حضرت! آپ جب بھی باہر نکلتے ہیں تو چہرے پر کپڑا ڈال کر نکلتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ ان بزرگ نے جواب میں فرمایا کہ میں کپڑا اٹھا کر باہر نکلنے پر قادر نہیں، اس لئے کہ جب میں باہر نکلتا ہوں تو کسی انسان کی شکل نظر نہیں آتی، بلکہ ایسا نظر آتا ہے کہ کوئی کتا ہے کوئی خنزیر ہے، کوئی بھیڑیا ہے، کوئی گدھا ہے، اور مجھے انسانوں کی شکلیں ان صورتوں میں نظر آتی ہیں ـــ اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ ان شکلوں میں متشکل ہو کر سامنے آجاتے ہیں ـــ بہر حال! چونکہ ان گناہوں کی حقیقت ہم پر منکشف نہیں ہے، اس لئے ہم ان گناہوں کو لذت اور راحت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ گندگی ہے، حقیقت میں وہ نجاست ہے، حقیقت میں وہ آگ ہے۔ حقیقت میں وہ ظلمت ہے۔

یہ دنیا گناہوں کی آگ سے بھری ہوئی ہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا جو گناہوں کے آگ سے بھری ہوئی ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی کمرے میں گیس بھر گئی ہو، اب وہ گیس حقیقت میں آگ ہے، صرف دیا سلائی لگانے کی دیر ہے، ایک دیا سلائی دکھاؤ گے تو پورا کمرہ آگ سے دھک جائے گا، اسی طرح یہ بد اعمالیاں یہ گناہ جو معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں آگ ہیں، صرف ایک صور پھونکنے کے دیر ہے، جب صور پھونکا جائے گا تو یہ معاشرہ آگ سے دھک جائے گا، ہمارے یہ برے اعمال بھی در حقیقت جہنم ہے، ان سے اپنے آپ کو بھی بچاؤ، اور اپنے اہل و عیال

کو بھی بچاؤ۔

پہلے خود نماز کی پابندی کرو

علامہ نووی رحمۃ اللہ نے دوسری آیت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

(طہ:۱۳۲)

یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس نماز کی پابندی کرو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب ترتیب رکھی ہے بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ پہلے خود نماز قائم کرو۔ اور پھر اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، لیکن یہاں ترتیب الٹ دی ہے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور پھر خود بھی اس کی پابندی کرو۔ اس ترتیب میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ تمہارا اپنے گھر والوں کو یا اولاد کو نماز کا حکم دینا اس وقت تک موثر اور فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک تم ان سے زیادہ اس کی پابندی نہیں کروگے۔ اب زبان سے تو تم نے ان کو کہہ دیا کہ نماز پڑھو۔ لیکن خود اپنے اندر نماز کا اہتمام نہیں ہے۔ تو اس صورت میں ان کو نماز کے لئے کہنا بالکل بے کار جائے گا۔ لہٰذا اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینے کا ایک لازمی حصہ یہ ہے کہ ان سے زیادہ پابندی خود کرو۔ اور ان کے لئے ایک مثال اور نمونہ بنو۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ مت بولو

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خاتون نے اپنے بچے کو گود میں لینے کے لئے بلایا، بچہ آنے میں تردد کر رہا تھا، تو اس خاتون نے کہا تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیز دیں گے۔ اب وہ بچہ آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے پوچھا کہ تم نے بچے کو یہ جو کہا کہ ہمارے پاس آؤ، ہم تمہیں کچھ چیز دیں گے، تو کیا تمہاری واقعی کچھ دینے کی نیت تھی؟ اس خاتون نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! میرے پاس ایک کھجور تھی۔ اور یہ کھجور اس کو دینے کی نیت تھی،

آپ نے فرمایا کہ اگر دینے کی نیت نہ ہوتی۔ تو یہ تمہاری طرف سے بہت بڑا جھوٹ ہوتا، اور گناہ ہوتا۔ اس لئے کہ تم بچے سے جھوٹا وعدہ کر رہی ہو گویا اس کے دل میں بچپن سے یہ بات ڈال رہے ہو کہ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی کرنا کوئی ایسی بری بات نہیں ہوتی ــــ لہٰذا اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ بیوی بچوں کو جو بھی حکم دو، پہلے خود اس پر عمل کرو، اور اس کی پابندی دوسروں سے زیادہ کرو،

بچوں کو تربیت دینے کا انداز

آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ احادیث لائے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اخذ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما تمرۃ من تمر الصدقۃ فجعلھا فی فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کخ کخ، ارم بھا، اما علمت انالا ناکل الصدقۃ!

(جامع الاصول: ۴/ ۶۵۷ رقم الحدیث ۲۷۴۸)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب کہ ابھی بچے ہی تھے۔ ایک مرتبہ صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فوراً فرمایا "کخ کخ" عربی میں یہ لفظ ایسا ہے جیسے ہماری زبان میں "تھو تھو" کہتے ہیں یعنی اگر بچہ کوئی چیز منہ میں ڈال دے، اور اس کی شناعت کے اظہار کے ساتھ وہ چیز اس کے منہ سے نکلوانا مقصود ہو تو یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کخ کخ" یعنی اس کو منہ سے نکال کر پھینک دو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم یعنی بنو ہاشم صدقے کا مال نہیں کھاتے

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ اور ایسے محبوب نواسے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت حسن رضی اللہ علیہ مسجد میں داخل ہو گئے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے، اور آگے بڑھ کر ان کو گود میں اٹھا لیا۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور یہ حضرت

حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھے پر سوار ہو گئے اور جب آپ سجدے میں جانے لگے تو آپ نے ان کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر نیچے اتار دیا، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ ان کو گود میں لیتے اور فرماتے کہ:

"مبخلة ومجبنة"

یعنی یہ اولاد ایسی ہے کہ انسان کو بخیل بھی بنا دیتی ہے، اور بزدل بھی بنا دیتی ہے۔ اس لئے کہ انسان اولاد کی وجہ سے بعض اوقات بخیل بن جاتا ہے، اور بعض اوقات بزدل بن جاتا ہے۔ ایک طرف تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اتنی محبت ہے، دوسری طرف جب انہوں نے نادانی میں ایک کھجور بھی منہ میں رکھ لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ وہ اس کھجور کو کھا جائیں۔ مگر چونکہ ان کو پہلے سے اس چیز کی تربیت دینی تھی۔ اس لئے فوراً وہ کھجور منہ سے نکلوائی۔ اور فرمایا کہ یہ ہمارے کھانے کی چیز نہیں ہے۔

بچوں سے محبت کی حد

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بچے کی تربیت چھوٹی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی سے اس کا ذہن بنتا ہے، اسی سے اس کی زندگی بنتی ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آج کل یہ عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ ماں باپ کے اندر بچوں کو غلط باتوں پر ٹوکنے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے۔ آج سے پہلے بھی ماں باپ بچوں سے محبت کرتے تھے۔ لیکن وہ عقل اور تدبیر کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ لیکن آج کل یہ محبت اور لاڈ اس درجے تک پہنچ چکا ہے کہ بچے کتنے ہی غلط کام کرتے رہیں، غلط حرکتیں کرتے رہیں، لیکن ماں باپ ان غلطیوں پر ٹوکتے ہی نہیں، ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نادان بچے ہیں ان کو ہر قسم کی چھوٹ ہے، ان کی روک ٹوک کرنے کی ضرورت نہیں۔ ارے بھائی، یہ سوچو کہ اگر وہ بچے نادان ہیں مگر تم تو نادان نہیں ہو، تمہارا فرض ہے کہ ان کو تربیت دو، اگر کوئی بچہ ادب کے خلاف، تمیز کے خلاف یا شریعت کے خلاف کوئی غلط کام کر رہا ہے۔ تو اس کو بتانا ماں باپ کے ذمے فرض ہے، اس لئے کہ وہ بچہ اسی طرح بد تہذیب بن کر بڑا ہو گیا تو اس کا وبال تمہارے اوپر

ہے کہ تم نے اس کو ابتداء سے اس کی عادت نہیں ڈالی ۔۔۔ بہر حال! اس حدیث کو یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں کو بھی نگاہ میں رکھو،

حضرت شیخ الحدیث کا ایک واقعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں باپ نے میرے لئے ایک چھوٹا سا خوبصورت تکیہ بنا دیا تھا، جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لئے بنایا جاتا ہے، مجھے اس تکیہ سے بڑی محبت تھی، اور ہر وقت میں اس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا ۔۔۔ ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے۔ ان کو تکیے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا کہ: اباجی! میرا تکیہ لے لیجئے یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ ان کو اس طرح پیش کیا، جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا، لیکن جس وقت وہ تکیہ میں نے ان کو پیش کیا، اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چپت رسید کیا۔ اور کہا کہ ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے، مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو در حقیقت باپ کی عطاء ہے، لہٰذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے ۔۔۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے بہت برا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا تھا۔ اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگا دیا۔ لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی۔ اور اس کے بعد سے ذہن کا رخ بدل گیا ۔۔۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی پڑتی ہے، تب جا کر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے، اور بچہ صحیح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔

کھانا کھانے کا ایک ادب

عن ابی حفص عمر ابی سلمة عبد الله بن عبد الاسد ربیب رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: کنت غلامًا فی حجر رسول الله صلی الله علیه وسلم، وکانت یدی تطیش فی الصحفة، فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: یا غلام سم الله، وبیمینك، وکل مما یلیك. فما زالت تلك طعمتی بعد.

(جامع الاصول: ۷/ ۳۸۸ رقم الحدیث ۵۴۴۵)

حضرت عمر بن ابو سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ حضرت ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو ام المومنین ہیں، ان کے پچھلے شوہر سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو یہ ان کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے، اس لئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب یعنی سوتیلے بیٹے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت و شفقت فرمایا کرتے تھے، اور ان کے ساتھ بڑی بے تکلفی کی باتیں کیا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت میں چھوٹا بچہ تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش تھا، ایک روز کھانا کھاتے ہوئے میرا ہاتھ پیالے میں ادھر سے ادھر حرکت کر رہا تھا، یعنی کبھی ایک طرف سے لقمہ اٹھایا۔ کبھی دوسری طرف سے۔ اور کبھی تیسری طرف سے لقمہ اٹھالیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس طرح کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے لڑکے! کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھو۔ اور داھنے ہاتھ سے کھاؤ، اور برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، وہاں سے کھاؤ، ادھر ادھر سے ہاتھ بڑھا کر کھانا ٹھیک نہیں ہے___ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دیکھ کر اس پر تنبیہ فرماتے اور صحیح ادب سکھاتے۔

یہ اسلامی آداب ہیں

ایک اور صحابی حضرت عکراش بن زویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کھانا سامنے آیا تو میں نے یہ حرکت شروع کی کہ ایک نوالہ ادھر سے لیا۔ اور دوسرا نوالہ ادھر سے لے لیا۔ اور اس طرح برتن کے مختلف حصوں سے کھانا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے عکراش، ایک جگہ سے کھاؤ، اس لئے کہ کھانا ایک جیسا ہے ادھر ادھر سے کھانے سے بد تہذیبی بھی معلوم ہوتی ہے۔ اور بد سلیقی ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے ایک جگہ سے کھاؤ، حضرت عکراش فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ سے کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک بڑا تھال لایا گیا جس میں مختلف

قسم کی کھجوریں بکھری ہوئی تھیں ۔۔ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا ہوا چھاچ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے ۔۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما چکے تھے کہ ایک جگہ سے کھاؤ۔ اس لئے میں نے وہ کھجوریں ایک جگہ سے کھانی شروع کر دیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایک طرف سے کھجور اٹھاتے، کبھی دوسری طرف سے اٹھاتے۔ اور مجھے جب ایک طرف سے کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے پھر فرمایا کہ اے عکراش! تم جہاں سے چاہو کھاؤ، اس لئے کہ یہ مختلف قسم کی کھجوریں ہیں۔ اب اگر ایک طرف سے کھاتے رہے۔ پھر دل تمہارا دوسری قسم کی کھجور کھانے کو چاہ رہا ہے۔ تو ہاتھ بڑھا کر وہاں سے کھجور اٹھا کر کھالو۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳٦۷)

گویا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھایا کہ اگر ایک ہی قسم کی چیز ہے تو پھر صرف اپنی طرف سے کھاؤ، اور اگر مختلف قسم کی چیزیں ہیں تو دوسرے اطراف سے بھی کھا سکتے ہو۔ اپنی اولاد اور اپنے صحابہ کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تھی۔ یہ سارے آداب خود بھی سیکھنے کے ہیں۔ اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کے ہیں یہ اسلامی آداب ہیں جن سے اسلامی معاشرہ ممتاز ہوتا ہے۔

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده رضی اللہ عنه
قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: مروا اولادکم
بالصلاۃ وھم ابناء سبع واضربوھم علیھا، وھم ابناء
عشر، وفرقوا بینھم فی المضاجع"

(جامع الاصول: ۵ / ۸۷/ رقم الحدیث ۳۲۴۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں یعنی سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کی تاکید کرنا شروع کرو، اگرچہ اس کے ذمے نماز فرض نہیں ہوئی، لیکن اس کو عادی بنانے کے لئے سات سال کی عمر سے تاکید کرنا شروع کر دو، اور جب دس سال کی عمر ہو جائے، اور پھر بھی نماز نہ پڑھے تو اس کو نماز نہ پڑھنے پر مارو،

اور دس سال کی عمر میں بچوں کے بستر الگ الگ کر دو، ایک بستر میں دو بچوں کو نہ سلاؤ،

سات سال سے پہلے تعلیم

اس حدیث میں پہلا حکم یہ دیا کہ سات سال کی عمر سے نماز کی تاکید شروع کر دو، اس سے معلوم ہوا کہ سات سال سے پہلے اس کو کسی چیز کا مکلّف کرنا مناسب نہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس حدث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تک بچے کی عمر سات سال تک نہ پہنچ جائے، اس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے، جیسے کہ بعض لوگ سات سال سے پہلے روزہ رکھوانے کی فکر شروع کر دیتے ہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بہت مخالف تھے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں تو سات سال سے پہلے نماز پڑھانے کو نہیں کہہ رہے ہیں، مگر تم سات سال سے پہلے اس کو روزہ رکھوانے کی فکر میں ہو، یہ ٹھیک نہیں ـــ اسی طرح سات سال سے پہلے نماز کی تاکید کی کوشش بھی درست نہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ سات سال سے کم عمر کے بچے کو مسجد میں لانا ٹھیک نہیں۔ البتہ کبھی کبھار اس کو اسی شرط کے ساتھ مسجد میں لا سکتے ہیں کہ وہ مسجد کو گندگی وغیرہ سے ملوث نہیں کرے گا۔ تاکہ وہ تھوڑا تھوڑا مانوس ہو جائے۔ لیکن سات سال سے پہلے اس پر باقاعدہ بوجھ ڈالنا درست نہیں۔

گھر کی تعلیم دے دو

بلکہ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ سات سال سے پہلے تعلیم کا بوجھ ڈالنا بھی مناسب نہیں۔ سات سال سے پہلے کھیل کود کے اندر اس کو پڑھا دو، لیکن باقاعدہ اس پر تعلیم کا بوجھ ڈالنا، اور باقاعدہ اس کو طالب علم بنا دینا ٹھیک نہیں ـــ آج کل ہمارے یہاں یہ وبا ہے کہ بس بچہ تین سال کا ہوا تو اس کو پڑھانے کی فکر شروع ہو گئی، یہ غلط ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب وہ تین سال کا ہو جائے تو اس کو گھر کی تعلیم دے دو۔ اس کو اللہ و رسول کا کلمہ سکھا دو، اس کو کچھ دین کی باتیں سمجھا دو، اور یہ کام گھر میں رکھ کر جتنا کر

سکتے ہو، کر لو باقی اسکو مکلّف کر کے باقاعدہ نرسری میں بھیجنا۔ اور ضابطے کا طالب علم بنا دینا اچھا نہیں۔

قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے بزرگ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ــ قرآن کریم کا زندہ معجزہ تھے، جن لوگوں نے ان کی زیارت کی ہے۔ ان کو معلوم ہو گا۔ ساری زندگی قرآن کریم کے اندر گزاری، اور حدیث میں جو یہ دعا آتی ہے کہ یااللہ! قرآن کریم کو میری رگ میں پیوست کر دیجئے۔ میرے خون میں پیوست کر دیجئے، میرے جسم میں پیوست کر دیجئے، میری روح میں پیوست کر دیجئے ــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی یہ دعا ان کے حق میں پوری طرح قبول ہو گئی کہ قرآن کریم ان کے رگ و پے میں پیوست تھا ــ

قاری صاحب قرآن کی تعلیم کے معاملے میں بڑے سخت تھے جب کوئی بچہ ان کے پاس آتا تو اس کو بہت اہتمام کے ساتھ پڑھاتے تھے، اور اس کو پڑھنے کی بہت تاکید کرتے تھے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تک بچے کی عمر سات سال نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر تعلیم کا باقاعدہ بوجھ ڈالنا درست نہیں، اس لئے اس سے اس کی نشوونما رک جاتی ہے، اور اسی مذکررہ بالا حدیث میں استدلال فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو نماز کا حکم دینے کے لئے سات سال عمر کی قید لگائی ہے۔

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو پھر رفتہ رفتہ اس پر تعلیم کا بوجھ ڈالا جائے۔ یہاں تک کہ جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس وقت آپ نے نہ صرف تادیباً مارنے کی اجازت دی۔ بلکہ مارنے کا حکم دیا کہ اب وہ نماز نہ پڑھے تو اس کو مارو،

بچوں کو مارنے کی حد

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ استاد کے لئے یا ماں باپ کے لئے بچے کو اس حد تک مارنا جائز ہے، جس سے بچے کے جسم پر مار کا نشان نہ پڑے۔ آج کل یہ جو بے

تحاشہ مارنے کی جو ریت ہے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں قرآن کریم کے مکتبوں میں مار کٹائی کا رواج ہے۔ اور بعض اوقات اس مار پٹائی میں خون نکل آتا ہے، زخم ہو جاتا ہے، یا نشان پڑ جاتا ہے، یہ عمل اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گناہ کی معافی کی کیا شکل ہو گی؟ اس لئے کہ اس گناہ کی معافی کس سے مانگے؟ اگر اسے بچے سے مانگے تو وہ نابالغ بچہ معاف کرنے کا اہل نہیں ہے، اس لئے کہ اگر نابالغ بچہ معاف بھی کر دے تو شرعاً اس کی معافی کا اعتبار نہیں اس لئے حضرت والا فرمایا کرتے تھے اس کی معافی کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا، اتنا خطرناک گناہ ہے۔ اس لئے استاد اور ماں باپ کو چاہئے کہ وہ بچے کو اس طرح نہ ماریں کہ اس سے زخم ہو جائے یا نشان پڑ جائے، البتہ ضرورت کے تحت جہاں مارنا ناگزیر ہو جائے۔ صرف اس وقت مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔

بچوں کو مارنے کا طریقہ

اس کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک عجیب نسخہ بتایا ہے، اور ایسا نسخہ وہی بتا سکتے تھے، یاد رکھنے کا ہے، فرماتے تھے کہ جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو، یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو جس وقت غصہ آرہا ہو اس وقت نہ مارو، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے مار لو اس لئے کہ جس وقت طبعی غصہ کے وقت اگر مارو گے یا غصہ کرو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے، اور چونکہ ضرورۃ مارنا ہے، اس لئے مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر مار لو، تاکہ اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے، اور حد سے گزرنا بھی نہ پڑے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا کہ طبعی غصے کے وقت نہ کسی کو مارا اور نہ ڈانٹا، پھر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا تو اس کو بلا کر مصنوعی قسم کا غصہ پیدا کر کے وہ مقصد حاصل کر لیتا۔ تاکہ حدود سے تجاوز نہ ہو جائے۔ کیونکہ غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں انسان اکثر و بیشتر حد پر قائم نہیں رہتا۔

بچوں کو تربیت دینے کا طریقہ

اسی لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اصول بیان فرمایا کرتے تھے۔ جو اگرچہ کلی اصول تو نہیں ہے، اس لئے کہ حالات مختلف بھی ہو سکتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر اس اصول پر عمل کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت کوئی شخص غلط کام کر رہا ہو، ٹھیک اس وقت میں اس کو سزا دینا مناسب نہیں ہوتا۔ بلکہ وقت پر ٹوکنے سے بعض اوقات نقصان ہوتا ہے، اس لئے بعد میں اس کو سمجھا دو، یا سزا دینی ہو تو سزا دیدو، دوسرے یہ کہ ہر ہر کام پر بار بار ٹوکتے رہنا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مرتبہ بٹھا کر سمجھا دو۔ کہ فلاں وقت تم نے یہ غلط کام کیا۔ فلاں وقت یہ غلط کیا اور پھر ایک مرتبہ جو سزا دینی ہے دے دو۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ ہر انسان کی جبلت میں داخل ہے، اور یہ ایسا جذبہ ہے کہ جب ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو بعض اوقات انسان اس میں بے قابو ہو جاتا ہے اور پھر حدود پر قائم رہنا ممکن نہیں رہتا، اس لئے کہ اس کا بہترین علاج وہی ہے، جو ہمارے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے تجویز فرمایا۔۔۔ بہر حال! اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ضرورت محسوس ہو تو کبھی کبھی مارنا بھی چاہئے، آج کل اس میں افراط و تفریط ہے، اگر ماریں گے تو حد سے گزر جائیں گے، یا پھر بالکل مارنا چھوڑ دیا ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کو کبھی نہیں مارنا چاہئے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں وہ افراط ہے، اور یہ تفریط ہے، اعتدال کا راستہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔

تم میں سے ہر شخص نگران ہے

آخر میں وہی حدیث لائے ہیں جو پیچھے کئی مرتبہ آچکی ہے

”وعن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، الامام راع ومسئول عن رعيته، والرجل راع فی اهله ومسئول عن رعيته، والمرأة راعية فی بيت زوجها و

مسئولة عن رعيتها، والخادم راع في مال سيده ومسئول
عن رعيته، فكلكم راع ومسئول عن رعيته»
(جامع الاصول: ۴/ ۵۰ رقم الحدیث ۲۰۲۸)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے، نگہبان ہے ذمہ دار ہے، اور ہر شخص سے قیامت کے روز اس کی ذمہ داری اور نگہبانی کے بارے میں سوال ہو گا، امام یعنی سربراہ حکومت ذمہ دار ہے، اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں آخرت میں سوال ہو گا کہ تم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ ان کی کیسی تربیت کی؟ اور ان کے حقوق کا کتنا خیال رکھا؟ اور مرد اپنے گھر والوں کا بیوی بچوں کا نگران اور نگہبان ہے قیامت کے روز اس سے سوال ہو گا کہ بیوی بچے جو تمہارے سپرد کئے گئے تھے ان کی کیسی تربیت کی، ان کے حقوق کس طرح ادا کئے؟ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، جو چیز اس کی نگہبانی میں دی گئی ہے۔ اس کے بارے میں اس سے قیامت کے روز سوال ہو گا کہ تم نے اس کی کس طرح نگہبانی کی؟ اور نوکر اپنے آقا کے مال میں نگہبان ہے۔ یعنی اگر آقا نے پیسے دیئے ہیں تو وہ پیسے اس کے لئے امانت ہے وہ اس کا ذمہ دار ہے، اور آخرت کے دن اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا کہ تم نے اس امانت کا حق کس طرح ادا کیا؟

لہٰذا تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی حیثیت سے راعی ہے اور جس چیز کی نگہبانی اس کے سپرد کی گئی ہے، قیامت کے روز اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا،

اپنے ماتحتوں کی فکر کریں

اس حدیث کو آخر میں لانے کی منشا یہ ہے کہ بات صرف باپ اور اولاد کی حد تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے جتنے شعبے ہیں، ان سب میں انسان کے ماتحت کچھ لوگ ہوتے ہیں، مثلاً گھر کے اندر اس کے ماتحت بیوی بچے ہیں، دفتر میں اس کے ماتحت کچھ افراد کام کرتے ہوں گے، اگر کوئی دکاندار ہے، تو اس دکان میں اس کے ماتحت کوئی آدمی کام

کرتا ہو گا، اگر کسی شخص نے فیکٹری لگائی ہے، تو اس فیکٹری میں اس کے ماتحت کچھ عملہ کام کرتا ہو گا، یہ سب اس کے ماتحت اور تابع ہیں لہٰذا ان سب کو دین کی بات پہچانا اور ان کو دین کی طرف لانے کی کوشش کرنا انسان کے ذمے ضروری ہے۔ یہ نہ سمجھے کہ میں اپنی ذات یا اپنے گھر کی حد تک ذمہ دار ہوں، بلکہ جو لوگ تمہارے زیر دست اور ماتحت ہیں، ان کو جب تم دین کی بات بتاؤ گے تو تمہاری بات کا بہت زیادہ اثر ہو گا، اور اس اثر کو وہ لوگ قبول کریں گے۔ اور اگر تم نے ان کو دین کی بات نہیں بتائی تو اس میں تمہارا قصور ہے۔ اور اگر وہ دین پر عمل نہیں کر رہے ہیں تو اس میں تمہارا قصور ہے کہ تم نے ان کو دین کی طرف متوجہ نہیں کیا، اس لئے جہاں کہیں جس شخص کے ماتحت کچھ لوگ کام کرنے والے موجود ہیں ان تک دین کی باتیں پہنچانے کی فکر کریں۔

صرف دس منٹ نکال لیں

اس میں شک نہیں کہ آج کل زندگیاں مصروف ہو گئیں ہیں، اوقات محدود ہو گئے، لیکن ہر شخص اتنا تو کر سکتا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں سے پانچ دس منٹ روزانہ اس کام کے لئے نکال لے کہ اپنے ماتحتوں کو دین کی بات سنائے گا۔ مثلاً کوئی کتاب پڑھ کر سنادے، کوئی وعظ پڑھ کر سنادے، ایک حدیث کا ترجمہ سنادے، جس کے ذریعہ دین کی بات ان کے کان میں پڑتی رہے۔ یہ کام تو ہر شخص کر سکتا ہے، اگر ہر شخص اس کام کی پابندی کر لے تو انشاء اللہ اس حدیث پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والدین کی خدمت
جنت کا ذریعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۸، اگست ۱۹۹۲ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

یاد رکھئے اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں، ان سب میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے، ان دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی، لیکن والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے، ان کا جذبہ تو یہ ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے، لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والدین کی خدمت، جنت کا ذریعہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی، وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ، وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (النساء: ۳۶)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

حقوق العباد کا بیان

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، جو والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کے بیان میں ہے، جیسا کہ مین نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہ ابواب جو اس کتاب "ریاض الصالحین" میں چل رہے ہیں، ان کا تعلق حقوق العباد سے ہے، بعض حقوق العباد کا بیان گزر چکا ہے، ان حقوق کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ سن چکے ہیں اس نئے باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آیات اور احادیث لائے ہیں سب سے پہلی حدیث یہ ہے کہ:

افضل عمل کونسا؟

"عن ابی عبد الرحمٰن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه، قال سئلت النبی صلی الله علیه وسلم: ای العمل احب الی الله؟ قال: الصلاة علی وقتها، قلت: ثم ای؟ قال: بر الوالدین، قلت: ثم ای؟ قال: الجهاد فی سبیل الله"

(صحیح بخاری، باب مواقیت الصلاۃ حدیث نمبر ۵۰۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے، میں نے پھر پوچھا کہ نماز کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک، میں نے پوچھا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرے نمبر پر محبوب عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جھاد کرنا۔"

اس حدیث میں ترتیب اس طرح بیان فرمائی گئی کہ سب سے افضل اور پسندیدہ عمل وقت پر نماز پڑھنے کو قرار دیا گیا، دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اور تیسرے نمبر پر جھاد فی سبیل اللہ کو۔

نیک کاموں کی حرص

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں :ایک یہ کہ اگر احادیث کا جائزہ لیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے مختلف مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟[۱] اس سے صحابہ کرام کی یہ فکر اور یہ حرص ظاہر ہوتی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور افضل ہو اس کو انجام دینے کی کوشش کی جائے، اور وہ عمل ہماری زندگیوں میں آجائے، اس لئے کہ ہر وقت دل و دماغ پر آخرت کی فکر طاری تھی، وہ تو یہ چاہتے تھے کہ آخرت میں کسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو جائے، اس لئے ہر وقت یہ معلوم کرنے کی فکر میں رہتے تھے کہ کس عمل میں کیا اجر و ثواب ہے، اور وہ ہمیں حاصل ہو جائے۔

آج ہم لوگ فضائل کی احادیث میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے۔ فلاں عمل میں یہ فضیلت ہے پڑھتے بھی ہیں۔ سنتے بھی ہیں۔ لیکن اس کے بعد کماحقہ عمل داعیہ پیدا نہیں ہوتا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ثواب کا کام ہے بس اس کی طرف دوڑتے تھے۔

افسوس! میں نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں شریک ہو، تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا، "قیراط" اس زمانے میں ایک پیمانہ تھا۔ جس کے ذریعہ سونا چاندی کا وزن کیا جاتا تھا اور جو شخص نماز جنازہ کے بعد اس کے پیچھے چلے اس کو دو قیراط ملیں گے، اور جو شخص اس کی تدفین میں بھی شامل ہو، اس کو تین قیراط اجر ملیں گے۔ ویسے تو "قیراط" ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے۔ لیکن ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جنت کا "قیراط" احد پہاڑ سے بھی

بڑا ہے۔

جب یہ حدیث حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ نے سنائی تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث پہلے نہیں سنی، جس کی وجہ سے ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیئے۔۔ مقصد یہ تھا کہ مجھے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز جنازہ پڑھنے اور جنازہ کے پیچھے چلنے، اور تدفین میں شرکت کی ایسی فضیلت ہے، اگر پہلے سے مجھے معلوم ہوتا تو میں اس کا اہتمام کرتا، اور اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے میرے بہت سے "قیراط" ضائع ہو گئے۔۔ حالانکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کا مشغلہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا تھا، جن کے نامہ اعمال میں نیکیوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود جب ایک نیا عمل معلوم ہوا تو اس پر افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کیوں اب تک یہ عمل اختیار نہیں کیا تھا۔۔ تمام صحابہ کرام کا یہی حال نظر آتا ہے کہ ہر وقت اسی فکر میں ہیں کہ ذرا سی کوئی نیکی کرنے کا موقع مل جائے جس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر و ثواب میں اضافہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

سوال ایک جواب مختلف

اسی لئے بار بار صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ روایات میں یہ نظر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام کو مختلف جواب دیئے۔ مثلاً اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ سب افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے، ایک حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ ایک صحابی کے اس سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یعنی ہر وقت تمہاری زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، ہر حالت میں تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ سب سے افضل والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہے کسی صحابی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! سب سے افضل کونسا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، غرض یہ کہ مختلف صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جوابات عطا فرمائے، بظاہر اگرچہ ان جوابات میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں تضاد نہیں۔

ہر شخص کا افضل عمل جدا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہر آدمی کے حالات کے لحاظ سے افضل عمل بدلتا رہتا ہے، کسی شخص کے لئے نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے والدین کی اطاعت سب سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے جہاد سے افضل عمل ہے، کسی شخص کے لئے ذکر سب سے افضل عمل ہے، حالات کے لحاظ سے اور آدمیوں کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے، مثلاً بعض صحابہ کرام کے بارے میں آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ نماز کی تو ویسے بھی پابندی کرتے ہیں، ان کے سامنے نماز کی زیادہ فضیلت بیان کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن والدین کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے، تو اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تمہارے حق میں سب سے افضل عمل والدین کی اطاعت ہے کسی صحابی کا عبادت کی طرف تو زیادہ دھیان تھا۔ مگر جہاد کی طرف اتنی رغبت نہیں تھی۔ ان کے حق میں فرمایا کہ تمہارے لئے سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، کسی صحابی کو آپ نے دیکھا کہ وہ عبادت بھی کر رہے ہیں، جہاد بھی کر رہے ہیں، لیکن ذکر اللہ کی طرف اتنا التفات نہیں ہے، ان کو فرمایا کہ تمہارے حق میں سب سے افضل عمل ذکر اللہ ہے۔ لہٰذا مختلف صحابہ کرام کو ان کے حالات کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جواب دیئے۔ لیکن یہ سب فضیلت والے اعمال ہیں، یعنی وقت پر نماز پڑھنا۔ والدین کی اطاعت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کرنا، ہر وقت ذکر اللہ کرنا وغیرہ، البتہ لوگوں کے حالات کے لحاظ فضیلت بدلتی رہتی ہے۔

نماز کی افضلیت

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اعمال کی ترتیب یہ بیان فرمائی کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا، صرف نماز پڑھنا نہیں، بلکہ وقت کالحاظ کر کے نماز پڑھنا، بعض اوقات انسان وقت کا دھیان نہیں کرتا۔ اور وقت گزار دیتا ہے۔ اور یہ سوچتا ہے کہ نماز قضا ہو گئی تو ہونے دو۔ یہ انسان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں، بلکہ وقت کے اندر نماز ادا کرنے کی فکر کرے، قرآن کریم کی آیت ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ.

(الماعون: ۴)

یعنی ان نمازیوں پر افسوس ہے، جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت میں ہیں...... نماز کا وقت آیا۔ اور چلا گیا۔ نماز ادا کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا، یہاں تک کہ نماز قضا ہو گئی۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الذی تفوته صلاة العصر کا نما وتر اهله وماله

یعنی جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی وقت گزر گیا۔ اور نماز نہیں پڑھی۔ وہ ایسا ہے جیسا اس کے سارے گھر والے لٹ گئے اور سارا مال لٹ گیا، جس طرح وہ شخص تنگ دست اور مفلوک الحال ہے اسی طرح وہ شخص بھی مفلوک الحال ہے جس کی ایک عصر کی نماز قضا ہو گئی ہو، لہذا نماز کو قضاء کرنا بڑی سنگین بات ہے، اور اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس لئے نماز کا بھی دھیان ہونا چاہئے، اور نماز کے وقت کا بھی دھیان ہونا چاہئے۔

جہاد کی افضلیت

اس حدیث میں دوسرے نمبر پر افضل عمل "والدین کے ساتھ حسن سلوک" کو قرار دیا، اور تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ، گویا کہ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد جیسی عبادت پر فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ جہاد اتنی بڑی عبادت ہے، اور اس کے اتنے فضائل ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں جہاد کرے، اور اس جہاد میں شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا سے اس

طرح گناہوں سے پاک صاف کر کے لے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

(صحیح بخاری باب تمنی المجاہد، حدیث نمبر ۲۶۶۲)

ایک حدیث میں ہے کہ جب ایک انسان مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقامات قرب کا مشاہدہ کرے گا، اور جنت کا مشاہدہ کرے گا تو اس کے دل میں کبھی دنیا میں واپس آنے کی خواہش پیدا نہیں ہوگی، کہ میں دنیا میں واپس جاؤں، اس لئے کہ دنیا کی حقیقت کھل کر اس کے سامنے آجائے گی۔ کہ یہ دنیا اس جنت کے مقابلے میں کتنی بے حقیقت، کتنی ناپائیدار اور کتنی گندی چیز تھی، جو جنت اس کو مل گئی ہے۔ لیکن وہ شخص جو جہاد کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں شہید ہو چکا ہو۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ اور وہاں جا کر دوبارہ جہاد کروں۔ اور پھر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل کی خواہش یہ ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور شہید ہو جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے۔ پھر شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جائے۔ پھر شہید ہو جاؤں۔ تو جنت میں جانے کے بعد کوئی اللہ کا بندہ دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ سوائے شہید کے کہ وہ اس بات کی خواہش کرے گا، جہاد کی اتنی بڑی فضیلت ہے۔

(صحیح بخاری، باب تمنی الشہادۃ، حدیث نمبر ۲۶۴۴)

والدین کا حق

لیکن والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد پر بھی مقدم رکھا ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جتنے حقوق العباد ہیں، ان میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے، اس سے واجب الاحترام حق دنیا میں کسی اور کا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو انسان کے وجود کا ذریعہ بنایا ہے، اس لئے ان کا حق بھی سب سے زیادہ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا اتنا اجر رکھا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اپنے والدین کو محبت کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے

بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج اور عمرہ کے برابر ثواب عطا فرماتے ہیں،

بے غرض محبت

یاد رکھئے: اس دنیا میں جتنی محبتیں اور تعلقات ہیں، ان تمام محبتوں اور تعلقات میں انسان کی کوئی نہ کوئی غرض ضرور وابستہ ہے، اس دنیا میں بے غرض محبت نہیں ملے گی، سوائے والدین کی محبت کے یعنی والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بے غرض ہوتی ہے، اس محبت میں ان کا اپنا کوئی مفاد اور کوئی غرض شامل نہیں، اس کے علاوہ کوئی محبت بے غرض نہیں مثلاً شوہر بیوی سے محبت کرے تو اس میں غرض شامل ہے، بیوی شوہر سے محبت کرے تو اس میں غرض ہے، بھائی بھائی سے محبت کرے، یا ایک دوست دوسرے دوست سے محبت کرے، غرض یہ کہ جتنے تعلقات ہیں سب کے نمرض غرض شامل ہے، ان سب میں کوئی نہ کوئی غرض کار فرما ہوتی ہے، لیکن ایک محبت غرض سے پاک ہے، وہ ماں باپ کی محبت ہے، یعنی ماں باپ اپنی اولاد سے جو محبت کرتے ہیں اس میں ان کی ذات کی کوئی غرض شامل نہیں ہوتی ان کا جذبہ تو ہوتا ہے کہ اپنی جان بھی چلی جائے۔ لیکن اولاد کو فائدہ پہنچ جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حقوق میں ان کا درجہ سب سے زیادہ رکھا، اور جہاد فی سبیل اللہ پر بھی اس کو مقدم فرمایا۔

والدین کی خدمت

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، اور جہاد سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائیں، اور اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں۔ صرف اسی غرض کے لئے جہاد میں جانا چاہتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم واقعی ثواب حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے جوب دیا، ہاں! یا رسول اللہ، میں صرف ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والدین زندہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور جا کر ان کی خدمت

کرو، اس لئے کہ اگر تمہیں اجر حاصل کرنا ہے تو پھر والدین کی خدمت کر کے تمہیں جو اجر حاصل ہو گا وہ اجر جہاد سے بھی حاصل نہیں ہو گا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"ففیھما فجاھد"

یعنی جا کر ان کی خدمت کر کے جہاد کرو، ان روایات میں والدین کی خدمت کو جہاد سے بھی زیادہ فوقیت عطا فرمائی۔

(صحیح بخاری، باب نمبر ۱۳۶ حدیث نمبر ۲۸۴۲)

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بات فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے۔ فرماتے تھے کہ بھائی! اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام دین ہے، یہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ بس! اس تقاضے کو پورا کرو، اس کا نام دین ہے اس کا نام دین نہیں کہ مجھے فلاں چیز کا شوق ہو گیا ہے، اس شوق کو پورا کر رہا ہوں، مثلاً کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں ہمیشہ صف اول میں نماز پڑھوں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں جہاد پر جاؤں، کسی کو اس بات کا شوق ہو گیا کہ میں تبلیغ و دعوت کے کام میں نکلوں، اگرچہ یہ سب کام دین کے کام ہیں۔ اور باعث اجر ثواب ہیں، لیکن یہ دیکھو کہ اس وقت کا تقاضہ کیا ہے؟ مثلاً گھر کے اندر والدین بیمار ہیں، اور انہیں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، لیکن تمہیں تو اس بات کا شوق لگا ہوا ہے صف اول میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں، اور والدین اتنے بیمار ہیں کہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اب اس وقت میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقاضہ یہ ہے کہ صف اول کی نماز کو چھوڑو، اور والدین کی خدمت انجام دو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور نماز گھر کے اندر تنہا پڑھ لو، اب اگر اس وقت تم نے والدین کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں، اور تم اپنا شوق پورا کرنے کے لئے مسجد میں چلے گئے اور صف اول میں جا کر شامل ہو گئے تو یہ دین کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنا شوق پورا کرنا ہو

گا۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مسجد کہیں دور ہے، مسجد آنے جانے میں وقت لگے گا، اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن اگر مسجد گھر کے بالکل قریب ہے اور والدین کی حالت ایسی ہے کہ ان کو بیٹے کے تھوڑی دیر کے دور رہنے سے تکلیف نہ ہوگی یا کوئی اور خدمت کرنے والا موجود ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد میں جاکر جماعت ہی سے نماز ادا کرنی چاہئے۔

یہ دین نہیں ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال دی، فرمایا کہ فرض کریں کہ ایک ویرانے جنگل میں ایک شخص اور صرف اس کی بیوی ہے۔ اور کوئی شخص قریب میں موجود نہیں، اس حالت میں نماز کا وقت ہو گیا اور مسجد آبادی کے اندر فاصلے پر ہے، اب یہ شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ چونکہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اس لئے میں تو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز ادا کروں گا، اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس ویرانے جنگل کے اندر میں تنہا ہوں۔ کوئی پاس نہیں۔ اب اگر تم نماز کے لئے دور آبادی میں چلے گئے تو اس ویرانے میں خوف کی وجہ سے میری تو جان نکل جائے گی۔ لیکن شوہر کہتا ہے کہ جماعت سے صف اول میں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے، میں تو صف اول میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کروں گا۔ اور اس فضیلت کو میں حاصل کروں گا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ دین نہ ہوا، یہ تو صف اول میں نماز پڑھنے کا شوق ہو گیا، اس شوق کو پورا کر رہا ہے، اس لئے کہ اس وقت دین کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جماعت کی نماز کو چھوڑو۔ اور وہیں پر تنہا نماز پڑھو، اگر ایسا نہیں کروگے تو پھر اپنا شوق پورا کرنا ہو جائے گا۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ ہوگی۔

یا مثلاً گھر میں والدین بیمار ہیں، بیوی بچے بیمار ہیں، اور ان کو آپ کی خدمت کی ضرورت ہے، لیکن آپ کو تبلیغ میں جانے کا شوق ہو گیا۔ اور آپ نے کہا کہ میں تبلیغ میں جاتا ہوں۔ دیکھئے، ویسے تبلیغ میں جانا بڑا ثواب کا کام ہے، لیکن اس حالت میں

جب کہ والدین یا بیوی بچوں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے اور تمہاری خدمت کے بغیر ان کا کام نہیں چلے گا۔ تو اس حالت میں یہ اپنا شوق پورا کرنا ہو گا یہ دین کا تقاضہ نہ ہو گا ــ اور دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے کا نام دین ہے، جس وقت جس کام کا تقاضہ ہے، اس وقت اس کو انجام دو۔

آپ نے اس حدیث میں دیکھا کہ ایک صحابی آئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، لیکن آپ نے ان کو منع فرما دیا، اور فرمایا کہ تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ جا کر والدین کی خدمت کرو۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں، اور مسلمان ہیں، اور وہ چاہتے بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کروں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وہ سعادت اور خوش نصیبی ہے کہ شاید اس روئے زمین پر اس سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کوئی اور نہیں ہو گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو پھر آپ کے جانے کے بعد یہ شرف حاصل نہیں ہو سکتا ــ لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں لیکن میری والدہ بیمار ہیں، اور ان کو میری خدمت کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاضر ہونے سے منع فرما دیا۔ اور یہ فرما دیا کہ تم یہاں میری زیارت اور ملاقات کے لئے مت آؤ۔ بلکہ والدہ کی خدمت کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۵۴۲)

بھلا بتلائیے! کیسا بھی صاحب ایمان ہو، اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا کتنا شوق ہو گا۔ اور جب آپ اس دنیا میں بقید حیات تھے، اس وقت آپ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کے شوق کا کیا عالم ہو گا جب کہ آج یہ

حالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی آپ کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے کتنے بے تاب اور بے چین رہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حاضری ہو جائے، اور روضہ اقدس کی زیارت ہو جائے ۔ لیکن آپ کی زیارت کے شوق، اس کی بے چینی اور بیتابی کو ماں کی خدمت پر قربان کر دیا، آپ نے حکم فرما دیا کہ ماں کی خدمت کرو، اور میری زیارت اور ملاقات کی سعادت کو چھوڑ دو، چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم پر اس سعادت کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں "صحابیت" کا مقام چھوٹ گیا۔ اس لئے کہ صحابیت" کا درجہ آپ کی ملاقات اور زیارت پر موقوف ہے اور "صحابی" وہ مقام ہے کہ کوئی شخص ولایت اور بزرگی کے چاہ کتنے بڑے مقام پر پہنچ جائے، مگر وہ کسی "صحابی" کے گرد تک نہیں پہنچ سکتا۔

"صحابیت" کا مقام

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ مشہور بزرگ فقیہ، محدث گزرے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک عجیب سوال کیا۔ سوال یہ کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟ یا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں؟ ۔ سوال کرنے والے شخص نے یہ سوال اس طرح ترتیب دیا کہ صحابہ کرام میں سے ان صحابی کا انتخاب کیا جن کے بارے میں لوگوں نے طرح طرح کی مختلف باتیں مشہور کر رکھی ہیں، اور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بر حق تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی اس عقیدے پر تقریباً ساری امت متفق ہے ۔ بہر حال! صحابہ کرام میں سے تو ان صحابی کو لیا جن کی شخصیت متنازع فیہ رہی ہے، اور دوسری طرف سوال میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا۔ جن کو عدل و انصاف اور تقویٰ طہارت وغیرہ میں "عمر ثانی" کہا جاتا ہے۔ اور یہ دوسری صدی ہجری کے مجدد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا ۔ بہر حال! حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ بھائی! تم یہ پوچھ رہے ہو کہ حضرت

معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز افضل ہیں؟ ارے! حضرت معاویہ تو در کنار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے جو مٹی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں گئی تھی، وہ مٹی بھی ہزار عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے "صحابیت" کا جو مقام حضرت معاویہ رضی اللہ کو عطا فرمایا تھا، ساری زندگی انسان کوشش کرتا رہے، تب بھی "صحابیت" کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا"۔

(البدایۃ والنھایۃ، ج ۱ ص ۱۳۹)

ماں کی خدمت کرتے رہو

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو یہ فرما دیا کہ ہماری زیارت کی ضرورت نہیں، اور "صحابیت" کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ماں کی خدمت کرو ـــ اگر ہم جیسا کوئی ناآشناس ہوتا تو یہ کہتا کہ یہ "صحابیت" کی دولت بعد میں تو ملنے والی نہیں، اگر ماں بیمار ہے تو کیا ہوا، کسی نہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا ہوتا ہی ہے، اس لئے اس ضرورت کے تحت گھر سے چلے جاؤ۔ اور جاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے واپس آجاؤ ـــ مگر وہاں تو اپنا شوق پورا کرنا پیش نظر نہیں تھا، اپنی ذاتی خواہش پوری نہیں کرنی تھی۔ بلکہ وہاں تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا شوق تھا۔ اس لئے آپ کی زیارت کو چھوڑ دیا۔ اور گھر میں ماں کی خدمت میں لگے رہے حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر سکے۔

ماں کی خدمت کا صلہ

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو ماں کی خدمت کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! کسی زمانے میں "قرن" یعنی یمن کے علاقے سے ایک آدمی مدینہ آئے گا۔

جس کے یہ اوصاف یہ حلیہ ہو گا، جب یہ آدمی تمہیں مل جائے تو اے عمر! اپنے حق میں ان سے دعا کرانا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمائیں گے۔

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب بھی یمن سے کوئی قافلہ مدینہ طیبہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جا کر ان سے سوال کرتے کہ اس قافلے میں اویس قرنی نامی کوئی شخص ہیں؟ جب ایک مرتبہ قافلہ آیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس میں اویس قرنی تشریف لائے ہیں۔ تو آپ بہت خوش ہوئے، جا کر ان سے ملاقات کی اور ان کا نام دریافت کیا اور جو حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔ وہ حلیہ بھی موجود تھا۔ تو پھر آپ نے ان سے درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ حضرت اویس قرنی نے سوال کیا کہ آپ مجھ سے دعا کرانے کیوں کر تشریف لائے؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب "قرن" سے یہ صاحب آئیں تو ان سے اپنے حق میں دعا کرانا، اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرمائیں گے۔ جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ نسبت عطا فرمائی۔

دیکھئے! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنے حق میں دعا کراؤ۔ یہ چیز ان کو کس طرح حاصل ہوئی یہ چیز ان کو والدہ کی خدمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی بدولت حاصل ہوئی۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے۔ اب میں اس پر عمل کروں گا چاہے کچھ ہو جائے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۵۴۲)

صحابہ کی جانثاری

کون صحابی ایسا تھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانثار اور فدا کار نہ ہو، میں نے ایک مضمون میں ایک بات لکھی تھی اور وہ بات صحیح لکھی تھی کہ ہر صحابی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی جان دے کر کسی دوسرے کی زندگی میں اضافہ کرنے کے قابل ہوتا تو تمام صحابہ کرام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک سانس کے اوپر اپنی

ساری جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتے، وہ صحابہ اتنے فداکار تھے ان کا تو یہ حال تھا کہ وہ کسی وقت یہ نہیں چاہتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ انور نگاہوں سے روپوش ہو، یہاں تک جنگ کے میدان میں بھی یہ بات گوارہ نہیں تھی۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، جن کو جنگ احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تلوار عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ جب دشمنوں کی طرف مقابلے کے لئے نکلے تو اس وقت دشمنوں کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ آرہی تھی۔ اس وقت حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تیروں کی طرف پشت کر کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چہرہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اور سارے تیر اپنی پشت پر روکنے لگے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے سارے تیر اپنی پشت پر لینے لگے۔ سینے پر اس لئے نہ لئے کہ اگر تیروں کو اپنے سینے پر سامنے سے روکیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوتی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ جہاں آرا نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ لہٰذا جنگ کی حالت میں بھی یہ احتیاط ہے کہ پشت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو، بلکہ پشت تیروں کی طرف رہے۔ اور چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔

بہر حال! صحابہ کرام جو اپنا ایک ایک لمحہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنے کے لئے بے چین تھے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ میں سے کسی کو شام بھیج دیا۔ کسی کو یمن بھیج دیا کسی کو مصر بھیج دیا، اور یہ حکم دیا کہ وہاں جاکر میرے دین کا پیغام پہنچاؤ۔ جب یہ حکم آگیا تو اب حضور کی خدمت میں رہنے کا شوق قربان کر دیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا۔ اور مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گئے۔

ہمارے حضرت والا ایک عجیب بات بیان فرمایا کرتے تھے، یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ دین وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہ دیکھو کہ اس وقت کا کیا تقاضہ ہے؟ وہ کام انجام دو، لہٰذا اگر وقت کا تقاضہ والدین کی خدمت ہے، پھر جہاد بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے تبلیغ بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، پھر نماز با جماعت بھی اس کے آگے بے حقیقت ہے، چاہے ان سب عبادات کے اپنے فضائل کتنے زیادہ ہوں اس لئے ہمیشہ اس بات کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

والدین کی خدمت گزاری کی اہمیت

والدین کی خدمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا کہ والدین کی خدمت ساری عبادتوں پر مقدم ہے، چنانچہ قرآن کریم میں والدین کی خدمت کے بارے میں ایک دو نہیں بلکہ متعدد آیات نازل فرمائیں، چنانچہ ایک آیت میں ارشاد فرمایا کہ:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا

(العنکبوت: ٨)

یعنی ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کرنے کی نصیحت کی کہ والد کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو اور ایک دوسری آیات میں ارشاد فرمایا کہ:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

(الاسراء: ٢٣)

یعنی ایک یہ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور دوسرے یہ کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، دیکھئے اس آیت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو توحید کے ساتھ ملا کر ذکر کیا، کہ اللہ کے ساتھ توحید، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک گویا کہ توحید کے بعد انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

جب والدین بوڑھے ہو جائیں تو پھر

پھر اس کے آگے کیا خوبصورت انداز میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ۔

(الاسراء: ٢٣)

یعنی اگر تمہاری زندگی میں تمہارے والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ تو پھر ان والدین کو کبھی "اف" بھی مت کہنا۔ اور بڑھاپے کا ذکر اس لئے کیا کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو بڑھاپے کے اثر سے بعض اوقات ذہن نارمل نہیں رہتا۔ اور اس کی وجہ سے بعض اوقات غلط سلط باتوں پر اصرار بھی کرتے ہیں، اس لئے خاص طور پر بڑھاپے کا

ذکر کیا کہ چاہے ماں باپ وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو تمہارے خیال میں غلط اور ناحق ہی کیوں نہ ہوں، لیکن تمہارا کام یہ ہے کہ "اف" بھی مت کہو، اور ان سے جھڑک کر بات نہ کرنا، اور ان سے ہمیشہ عزت کے ساتھ بات کرنا، اور آگے فرمایا کہ

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ○

(الاسراء: ۲۴)

اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کر کے رکھنا، اور یہ دعا مانگتے رہنا کہ یااللہ! ان کے اوپر رحمت فرمایئے۔ جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا ــ بڑھاپے کے اندر اگر ماں باپ کے مزاج میں ذرا سا چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تو اس سے گھبرا کر "اف" مت کہو، اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔

سبق آموز واقعہ

میں نے ایک کتاب میں ایک قصہ پڑھا تھا۔ معلوم نہیں کہ سچا ہے یا جھوٹا، لیکن بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک صاحب بوڑھے ہو گئے، انہوں نے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلا کر فاضل بنا دیا۔ ایک دن گھر کے صحن میں باپ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کوا گھر کے دیوار پر آ کر بیٹھ گیا تو باپ نے بیٹے سے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان! یہ کوا ہے، تھوڑی دیر کے بعد پھر باپ نے پوچھا بیٹا! یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: ابا جان! یہ کوا ہے، پھر جب تھوڑی دیر گزر گئی تو باپ نے پوچھا کہ بیٹے! یہ کیا ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! ابھی تو آپ کو بتایا تھا کہ یہ کوا ہے، تھوڑی دیر گزرنے کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا: یہ کیا ہے؟ بیٹے کے لہجے میں تبدیلی آ گئی اور اس نے جھڑک کر کہا کہ ابا جان! کوا ہے کوا، پھر تھوڑی دیر کے بعد باپ نے پوچھا کہ بیٹا! یہ کیا ہے۔ اب بیٹے سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا کہ آپ ہر وقت ایک بات پوچھتے رہتے ہیں ہزار مرتبہ کہہ دیا کہ یہ کوا ہے؟ آپ کے سمجھ میں نہیں آتی ــ بہر حال، اس طرح بیٹے نے باپ کو ڈانٹنا شروع کر دیا ــ تھوڑی دیر کے بعد باپ اپنے کمرے میں اٹھ کر گیا اور ایک پرانی ڈائری نکال لایا، اور اس ڈائری کا ایک صفحہ کھول کر بیٹے کو دکھاتے ہوئے کہا کہ بیٹا! یہ ذرا پڑھنا، کیا لکھا ہے؟ چنانچہ اس نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آج میرا چھوٹا بیٹا صحن میں بیٹھا ہوا

تھا۔ اور میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک کوا آگیا، تو بیٹے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا کہ ابا جان یہ کیا ہے؟ تو میں ۲۵ مرتبہ اس کو جواب دیا کہ بیٹا، یہ کوا ہے، اور اس ادا پر بڑا پیار آیا ــ اس کے پڑھنے کے بعد باپ نے کہا! بیٹا! دیکھو! باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے، جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے ۲۵ مرتبہ پوچھا۔ اور میں نے ۲۵ مرتبہ بالکل اطمینان سے نہ صرف جواب دیا بلکہ میں نے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے اس کی ادا پر بڑا پیار آیا، آج جب میں نے تم سے صرف ۵ مرتبہ پوچھا تو تمہیں اتنا غصہ آگیا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

بہر حال! اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ بات یاد رکھو! کہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے کے بعد ماں باپ کے اندر تھوڑا سا چڑچڑا پن بھی پیدا ہو جائے گا۔ ان کی بہت سی باتیں نا گوار بھی معلوم ہوں گی۔ لیکن اس وقت تم یہ یاد رکھنا کہ تمہارے بچپن میں اس سے کہیں زیادہ ناگوار باتیں تمہارے ماں باپ نے برداشت کی ہیں۔ لہٰذا تمہیں بھی ان کی نا گوار باتوں کو برداشت کرنا ہے، یہاں تک کہ اگر ماں باپ کافر بھی ہوں تو ان کے کے بارے میں بھی قرآن کریم نے فرمایا:

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ
فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔

(لقمان: ۱۵)

یعنی اگر تمہارے والدین کافر مشرک ہوں، تو پھر شرک میں تو ان کی اطاعت مت کرنا لیکن عام زندگی کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک پھر بھی ضروری ہے، اس لئے کہ اگرچہ وہ کافر ہے، لیکن تمہارا باپ ہے، تو والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید فرمائی ہے، آج کی دنیا ہر معاملے میں الٹی جارہی ہے، اب تو باقاعدہ اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ والدین کی اطاعت، ان کا احترام ان کی عظمت کا نقش اولاد کے دلوں سے مٹایا جائے۔ اور باقاعدہ اس کی تربیت ہو رہی ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ ماں باپ بھی انسان ہیں، اور ہم بھی انسان ہیں، ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے، ان کا ہم پر کیا حق ہے ــ

جب انسان سے دین سے دور ہو جاتا ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے، اور آخرت کی فکر ختم ہو جاتی ہے تو اوقت اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

والدین کی نافرمانی کا وبال

بہر حال! یہ عرض کرنا تھا کہ والدین کی اطاعت واجب ہے اگر والدین کسی کام کا حکم دیں تو وہ کام کرنا اولاد کے ذمے شرعاً فرض ہو جاتا ہے، اور بالکل ایسا فرض ہو جاتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنا فرض ہے بشرطیکہ ماں باپ جس کام کا حکم دے رہے ہیں، وہ شرعاً جائز ہو۔۔ اور اگر اولاد وہ کام نہ کرے تو یہ ایسا گناہ ہے، جیسا نماز چھوڑ دینا گناہ ہے، اسی کو "عقوق الوالدین" کہا جاتا ہے، یعنی والدین کی نافرمانی، اور بزرگوں نے فرمایا کہ والدین کی نافرمانی کا وبال یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

عبرت ناک واقعہ

ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اس کی موت کا وقت آگیا، اور نزع کا وقت ہے، سب لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لے۔ مگر زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا، چنانچہ لوگ ایک بزرگ کو لائے، اور ان سے پوچھا کہ اس کا کیا حل نکالا جائے اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا ہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر اس کی والدہ یا والد حیات ہوں تو ان سے اس کے لئے معافی مانگو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے والدین کی نافرمانی کی ہے، اس کے نتیجے میں اس پر یہ وبال آیا ہے، اور جب تک ان کی طرف سے معافی نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو گا۔۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ والدین کی نافرمانی کرنا، اور ان کا دل دکھانا کتنی خطرناک اور وبال کی چیز ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر قدم پر اپنی تعلیمات میں والدین کا احترام، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا لحاظ رکھا۔ جو صحابی آپ سے مشورہ کرنے آتے تو آپ ان کو حسن سلوک کا مشورہ دیتے۔

علم کے لئے والدین کی اجازت

ہمارے ہاں دارالعلوم میں بعض مرتبہ بعض طالب علم داخلے کے لئے آتے ہیں، ان کو پڑھنے کا شوق ہے۔ عالم بننے اور درس نظامی پڑھ کر فارغ التحصیل ہونے کا شوق ہے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا کہ والدین کی اجازت سے آئے ہو؟ تو معلوم ہوتا کہ والدین کی اجازت کے بغیر آئے ہیں، اور وہ یہ کہتے کہ ہم کیا کریں والدین ہمیں اجازت نہیں دے رہے تھے، اس لئے ہم بغیر اجازت کے چلے آئے ہیں میں ان سے کہتا ہوں کہ یاد رکھیں، مولوی بننا کوئی فرض نہیں والدین کی اطاعت کرنا فرض ہے ہاں! اگر والدین اتنا علم بھی حاصل کرنے سے روک دیں جس سے انسان ایک مسلمان جیسی زندگی گزار سکے، مثلاً نماز کا طریقہ سیکھنے سے روکیں، تو اس صورت میں والدین کی اطاعت نہیں، لیکن مولوی بننا (پورے دین کا علم حاصل کرنا) فرض و واجب نہیں، لہذا جب تک والدین اس کی اجازت نہ دیں اس وقت تک وہ نہ کرے، اور اگر اجازت کے بغیر مولوی بننے میں لگے گا تو وہی بات ہوگی جو ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اپنا شوق پورا کرنا ہوگا۔ یہ دین کا کام نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جنت حاصل کرنے کا آسان راستہ

یاد رکھو! جب تک والدین حیات ہیں تو وہ اتنی بڑی نعمت ہیں کہ اس روئے زمین پر انسان کے لئے اس سے بڑی نعمت کوئی اور نہیں جیسا کہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ماں باپ کو محبت اور پیار کی نظر سے دیکھ لو تو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ہے، اسی لئے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردود ہو وہ شخص جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر وہ ان کی خدمت کر کے اپنے گناہ معاف نہ کرالے۔ اس لئے کہ اگر ماں باپ بوڑھے ہیں تو جنت حاصل کرنا اتنا آسان ہے جس کی کوئی حد نہیں، بس ذرا سی ان کی خدمت کر لو گے تو ان کے دل سے دعا نکل جائے گی۔ اور تمہاری آخرت سنور جائے گی۔ بہانے بہانے سے تم جنت کما سکتے ہو، بہر حال! والدین جب تک حیات ہوں ان کو نعمت سمجھ کر ان کی

قدر کریں، اس لئے کہ جب والدین اٹھ جاتے ہیں تو اس وقت حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے زندگی کے اندر ان کی کوئی قدر نہ کی، ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے جنت نہ کمائی، بعد میں افسوس ہوتا ہے۔

والدین کی وفات کے بعد تلافی کی صورت

اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ والدین کے مرنے کے بعد اولاد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم نے کتنی بڑی نعمت کھو دی اور ہم نے اس کا حق ادا نہ کیا، اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ رکھا ہے، فرمایا کہ اگر کسی نے والدین کے حقوق میں کوتاہی کی ہو، اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، تو اس کی تلافی کے دو راستے ہیں، ایک ان کے لئے ایصال ثواب کی کثرت کرنا۔ جتنا ہو سکے ان کو ثواب پہنچائیں۔ صدقہ دیکر ہو، یا نوافل پڑھکر ہو، یا قرآن کی تلاوت کر کے ذریعہ ہو، اس کے ذریعہ اس کی تلافی ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ والدین کے اعزہ اقرباء دوست احباب ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا باپ کے ساتھ کرنا چاہئے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کی تلافی فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ماں کے تین حق باپ کا ایک حق

"عن ابی هريرة رضى الله عنه قال: جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله: من احق الناس بحسن صحبتى؟ قال: امك، قال: ثم من؟ قال: امك، قال: ثم من؟ قال امك، قال: ثم من؟ قال ابوك"

(جامع الاصول، جلد ایک، ص ۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ساری دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ کس کے ساتھ میں سب سے

زیادہ اچھا سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں یعنی سارے انسانوں میں سب سے زیادہ تمہارے حسن سلوک کی مستحق تمہاری ماں ہے، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے دوبارہ جواب دیا: تمہاری ماں، ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے پھر جواب دیا: تمہاری ماں ان صاحب نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون ہے؟ تو چوتھے نمبر پر فرمایا: تمہارا باپ۔

تین مرتبہ ماں کا نام لیا، آخر میں چوتھے نمبر پر باپ کا نام لیا، اس واسطے علماء کرام نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں کا حق حسن صحبت میں باپ سے بھی زیادہ ہے ماں کے تین حق ہیں، اور باپ کا ایک حق ہے، اس لئے کہ بچے کی پرورش کے لئے ماں جتنی مشقتیں جھیلتی ہے، باپ اس کا چوتھائی بھی نہیں جھیلتا، اس لئے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصے ماں کے بیان فرمائے۔ اور ایک حصہ باپ کا بیان فرمایا۔

باپ کی تعظیم، ماں کی خدمت

اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ہدیہ یا تحفہ دینا ہو تو ماں کو زیادہ دینا چاہئے، بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ دو چیزیں علیحدہ ہیں، ایک ہے "تعظیم" اس میں تو باپ کا حق ماں پر مقدم ہے، اور دوسری چیز ہے "حسن سلوک" اور "خدمت" اس میں ما کا حق باپ پر مقدم ہے۔ "تعظیم" کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اسکی عظمت زیادہ ہو، اس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے، اس کے سرہانے نہ بیٹھے یا جو تعظیم کے آداب ہیں، اس میں باپ کا حق مقدم ہے، لیکن جہاں تک خدمت کا تعلق ہے، اس میں ماں کا حق مقدم ہے، اور باپ کے مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر ماں کے اندر یہ بات رکھی ہے کہ ماں کے ساتھ اولاد کی بے تکلفی زیادہ ہوتی ہے، بہت سی باتیں بیٹا کھل کر باپ سے نہیں کہہ سکتا، لیکن ماں کے سامنے وہ کہہ دیتا ہے تو شریعت نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں بزرگوں کا بیان کیا ہوا یہ اصول لکھا ہے کہ اولاد باپ کی تعظیم زیادہ کرے، اور ماں کی خدمت زیادہ کرے، اس اصول کے ذریعہ احادیث کے درمیان بھی

تطبیق ہو جاتی ہے۔

ماں کی خدمت کا نتیجہ

بہرحال! ماں کی خدمت وہ چیز ہے جو انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے جیسا کہ آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں دیکھا، اور بھی بہت سے بزرگوں کا یہی حال ذکر کیا گیا ہے، مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے، کہ ایک عرصہ تک صرف ماں کی خدمت میں مشغولی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکے، لیکن بعد میں جب انکی خدمت سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے علم کے اندر بہت اونچا مقام عطا فرمایا، لہٰذا اس خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

"وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنهما قال: اقبل رجل الى نبی الله صلی اللہ علیه وسلم، فقال: ابایعك على الهجرة والجهاد ابتغى الاجر من الله تعالى، فقال: هل من والديك احد حي؟ قال: نعم، بل كلاهما، قال: فتبتغى الاجر من الله تعالى؟ قال: نعم، قال: فارجع الى والديك فاحسن صحبتهما۔"

(مسند احمد: ج ۵ ص ۳۶۸)

واپس جا کر ان کے ساتھ حسن سلوک کرو

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں آپ کے پاس دو چیزوں پر بیعت کرنے آیا ہوں، ایک ہجرت پر اور ایک جہاد پر، یعنی میں اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں رہنے کے لئے ہجرت کے ارادے سے آیا ہوں، اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے کی نیت سے آیا ہوں، اور میں اپنے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طلب گار ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں بلکہ والد اور والدہ دونوں زندہ

ہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم واقعی اجر و ثواب چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جی ہاں! یا رسول اللہ، آپ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ جہاد کرنے کے بجائے تم اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

جاکر ماں باپ کو ہنساؤ

دیکھئے! اس حدیث میں اپنے ساتھ جہاد کرنے کی فضیلت کو والدین کے ساتھ حسن سلوک پر قربان فرما دیا، اور ان کو واپس فرما دیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کی تیاری ہو رہی تھی، ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جہاد میں شریک ہونے کے لئے آیا ہوں، اور فخر کے طور پر بیان کیا کہ میں جہاد میں شرکت کرنے کا اتنا سچا طالب ہوں کہ جہاد میں شرکت کے لئے اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں، مطلب یہ تھا کہ میرے والدین مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے، اور مجھے جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دے رہے تھے، لیکن اس کے باوجود میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ میری جدائی کی وجہ سے رو رہے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا:

ارجع فاضحکھما کما ابکیتھما

(مسند احمد: ج ۲ ص ۲۰۴)

واپس جاؤ، اور ان کو جس طرح روتا چھوڑا تھا، اب جاکر ان کو ہنساؤ اور ان کو راضی کرو، تمہیں میرے ساتھ جہاد پر جانے کی اجازت نہیں۔

دین ''حفظ حدود'' کا نام ہے

یہ ہے حفظ حدود، اسی لئے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دین نام ہے ''حفظ حدود'' کا یہ کوئی دین نہیں کہ جب جہاد کی فضیلت سن لی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی رعایت کرتے ہوئے ہر موقع پر کام کرنا ہوتا ہے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگ یک باگے ہو گئے

ہیں، جیسے اگر گھوڑے کی ایک باگ ہو تو وہ ایک صرف ایک ہی طرف چلے گا۔ دوسری طرف دھیان بھی نہیں دے گا، اسی طرح لوگ بھی یک باگ ہو گئے، یعنی جب یہ سن لیا کہ فلاں کام بڑی فضیلت والا ہے بس اس کی طرف دوڑ پڑے۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ ہمارے ذمے اور کیا حقوق واجب ہیں، اور دوسرے کاموں کی کیا حد ہے؟

اہل اللہ کی صحبت

اور یہ "حفظ حدود" کی بات عادۃ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک کسی اللہ والے کی صحبت میسر نہ آئے، زبان سے میں نے بھی کہہ دیا، اور آپ نے سن بھی لیا، کتابوں میں بھی یہ بات لکھی ہے، لیکن کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے، اور کس موقع پر کس چیز کو ترجیح دینی ہے، یہ بات کسی کامل شیخ کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور آدمی افراط و تفریط ہی میں مبتلا رہتا ہے شیخ کامل ہی بتاتا ہے کہ اس وقت کیا کام کرنا ہے، وہ بتاتا ہے کہ اس وقت میرے لئے کیا چیز بہتر ہے، اور کیا چیز بہتر نہیں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے پاس اصلاح کے لئے لوگ آتے تو آپ بہت سے لوگوں کے وظیفے چھڑا دیتے، اور دوسرے کاموں پر لگا دیتے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ اس کام پر لگا رہے گا تو حدود کی حفاظت نہیں کرے گا۔

شریعت، سنت، طریقت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "حقوق" تمام تر شریعت ہے، یعنی شریعت حقوق کا نام ہے، اللہ کے حقوق، اور بندوں کے حقوق اور "حدود" تمام تر سنت ہے یعنی سنت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کہ کس حق کی کیا حد ہے، حق اللہ کی حد کہاں تک ہے، اور حق العبد کی حد کہاں تک ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں یہ بتاتی ہیں کہ کس حق پر کس حد تک عمل کیا جائے گا۔ اور "حفظ حدود" تمام تر طریقت ہے، یعنی طریقت جس کو تصوف اور سلوک کہا جاتا ہے۔ ان حدود کی حفاظت کا نام ہے، یعنی وہ حدود جو سنت سے ثابت ہیں، ان کی حفاظت

تصوف اور سلوک کے ذریعہ ہوتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ "شریعت" تمام تر حقوق، سنت تمام تر حدود اور طریقت تمام تر حفظ حدود، بس! اگر یہ تین چیزیں حاصل ہو جائیں تو پھر کسی چیز کی حاجت نہیں، لیکن عادۃ یہ چیزیں اس وقت حاصل نہیں ہوتیں، جب تک انسان کسی اللہ والے کے سامنے رگڑے نہ کھائے، اور کسی شیخ کامل کے حضور اپنے آپ کو پامال نہ کرے۔

قال رابگزار صاحب حال شو
پیش مردے کامل پامال شو

جب تک آدمی کسی مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال نہیں کریگا۔ اس وقت تک یہ بات حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ افراط و تفریط ہی میں مبتلا رہے گا کبھی ادھر جھک گیا، کبھی ادھر جھک گیا۔ سارے تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو افراط و تفریط سے بچائے اور اس کو اعتدال پر لائے، اور اس کو یہ بتائے کہ کس وقت دین کا کیا تقاضہ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

غیبت

ایک عظیم گناہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

یہ غیبت ایسا کبیرہ گناہ ہے، جیسے شراب پینا گناہ کبیرہ ہے، اور جیسے بد کاری کرنا کبیرہ گناہ ہے، جس یہ گناہ حرام قطعی ہیں۔ اسی طرح غیبت کا گناہ بھی حرام قطعی ہے، پھر کیا وجہ ہے، کہ ہم شراب پینے اور بد کاری کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔ لیکن غیبت کو گناہ نہیں سمجھتے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیبت

زبان کا ایک عظیم گناہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ و اشھد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و اشھد ان سیدنا و سندنا وشفیعنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا۔

اَمَّابَعْد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔

(سورۃ الحجرات: ۱۲)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

"غیبت" ایک سنگین گناہ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان گناہوں کا بیان شروع فرمارہے ہیں، جو اس زبان

سے سرزد ہوتے ہیں، اور سب سے پہلے اس گناہ کو ذکر فرمایا جس کا رواج بہت زیادہ ہو چکا ہے، وہ ہے غیبت کا گناہ، یہ ایسی مصیبت ہے جو ہماری مجلسوں پر اور ہمارے معاشرے پر چھائی ہے، کوئی مجلس اس سے خالی نہیں، کوئی گفتگو اس سے خالی نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں، اور قرآن کریم نے غیبت کے لئے اتنے سنگین الفاظ استعمال کئے ہیں کہ شاید کسی اور گناہ کے لئے اتنے سنگین الفاظ استعمال نہیں کئے۔ چنانچہ فرمایا کہ

"وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ"

یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کرو (کیونکہ یہ ایسا برا عمل ہے، جیسے اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا) کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے؟ تم اس کو بہت برا سمجھتے ہو" لہٰذا جب تم اس عمل کو برا سمجھتے ہو تو غیبت کو بھی برا سمجھو۔ اس میں ذرا غور کریں کہ اس میں غیبت کی کتنی شناعت بیان فرمائی ہے، ایک تو انسان کا گوشت کھانا، اور آدم خور بن جانا ہی کتنی شناعت کی بات ہے، اور انسان بھی کونسا؟ اپنا بھائی، اور بھائی بھی زندہ نہیں۔ بلکہ مردہ، اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا جتنا سنگین ہے؟ اتنا ہی دوسرے کی غیبت کرنا سنگین اور خطرناک ہے۔

"غیبت" کی تعریف

غیبت کے کیا معنی کیا ہے؟ غیبت کے معنی ہیں! دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنا، چاہے وہ برائی صحیح ہو، وہ اس کے اندر پائی جارہی ہو، غلط نہ ہو، پھر بھی اگر بیان کرو گے تو وہ غیبت میں شمار ہوگا، حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ غیبت کیا ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا

ذکرک اخاک بما یکرہ

یعنی اپنے بھائی کا اس کے پیٹھ پیچھے ایسے انداز میں ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو، یعنی اگر اس کو پتہ چلے کہ میرا ذکر اس طرح اس مجلس میں کیا گیا تھا، تو اس کو تکلیف

ہو، اور وہ اس کو برا سمجھے، تو یہ غیبت ہے ان صحابی نے پھر سوال کیا کہ

ان کان فی اخی ما اقول

اگر میرے بھائی کے اندر وہ خرابی واقعۃً موجود ہے جو میں بیان کر رہا ہوں، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ خرابی واقعۃً موجود ہے تب تو یہ غیبت ہے، اور اگر وہ خرابی اس کے اندر موجود نہیں ہے، اور تم اس کی طرف جھوٹی نسبت کر رہے ہو، تو پھر یہ غیبت نہیں، پھر تو یہ بہتان بن جائے گا۔ اور دوھرا گناہ ہو جائے گا۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث نمبر ۴۸۷۴)

اب ذرا ہماری محفلوں اور مجلسوں کی طرف نظر ڈال کر دیکھئے کہ کس قدر اس کا رواج ہو چکا ہے، اور دن رات اس گناہ کے اندر مبتلا ہیں ــ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین ــ بعض لوگ اس کو درست بنانے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ میں غیبت نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو اس کے منہ پر یہ بات کہہ سکتا ہوں ــ مقصد یہ ہے کہ جب میں یہ بات اس کے منہ پر کہہ سکتا ہوں تو میرے لئے یہ غیبت کرنا جائز ہے۔ یاد رکھو، چاہے تم وہ بات اس کے منہ پر کہہ سکتے ہو، یا نہ کہہ سکتے ہو، وہ ہر حالت میں غیبت ہے بس اگر تم کسی کا برائی سے ذکر کر رہے ہو تو یہ غیبت کے اندر داخل ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

"غیبت" گناہ کبیرہ ہے

اور یہ ایسا ہی گناہ کبیرہ ہے جیسے شراب پینا، ڈاکہ ڈالنا، بدکاری کرنا، کبیرہ گناہوں میں داخل ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی حرام قطعی ہیں، یہ بھی حرام قطعی ہے بلکہ غیبت کا گناہ اس لحاظ سے ان گناہوں سے زیادہ سنگین ہے کہ غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک بندہ اس کو معاف نہ کر دے اس وقت تک وہ گناہ معاف نہیں ہو گا، دوسرے گناہ صرف توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں لیکن یہ گناہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہو گا، اس سے اس گناہ کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ــ خدا کے لئے اس کا اہتمام کریں کہ نہ غیبت کریں، اور نہ غیبت سنیں، اور جس مجلس میں غیبت ہو رہی ہو، اس میں گفتگو کا رخ بدلنے کی کوشش کریں، کوئی دوسرا

موضوع چھیڑ دیں، اگر گفتگو کا رخ نہیں بدل سکتے، تو پھر اس مجلس سے اٹھ کر چلے آئیں۔ اس لئے کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے، اور غیبت سننا بھی حرام ہے۔

یہ لوگ اپنے چہرے نوچیں گے

عن انس ابن مالك رضى الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما عرج بى مررت بقوم لهم اظفار من نحاس يخمشون بها وجوههم وصدورهم فقلت: من هٰؤلاء ياجبريل؟ قال هٰؤلاء الذين يأكلون لحوم الناس، ويقعون فى اعراضهم۔

(ابو داؤد، کتاب للادب، باب فی الغیبة، حدیث نمبر ۴۸۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے، دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات معراج میں مجھے اوپر لے جایا گیا، تو وہاں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا، جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہرے نوچ رہے تھے۔ میں نے حضرت نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ کا گوشت کھاتے تھے، اور لوگوں کی آبروؤں پر حملے کیا کرتے تھے۔

غیبت، زنا سے بدتر ہے

چونکہ اس گناہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے صحابہ کرام کے سامنے پیش فرمایا، ان سب کو پیش نظر رکھنا چاہئے، تاکہ ہمارے دلوں میں اس کی شناعت اور قباحت بیٹھ جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی شناعت ہمارے دلوں میں بٹھا دے، اور اس شناعت اور قباحت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین — اس حدیث کے اندر آپ نے دیکھا کہ آخرت میں ان کا یہ انجام ہو گا کہ اپنے چہرے نوچ رہے ہوں گے — اور ایک روایت میں جو سند کے اعتبار سے بہت مضبوط نہیں ہے، مگر

معنی کے اعتبار سے صحیح ہے وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت کا گناہ زنا کے گناہ سے بھی بدتر ہے، اور وجہ اس کی یہ بیان فرمائی کہ خدانہ کرے اگر کوئی زنا میں مبتلا ہو جائے تو جب کبھی ندامت اور شرمندگی ہو گی، اور توبہ کر لے گا تو انشاء اللہ معاف ہو جائے گا، لیکن غیبت کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہو گا جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت اور بے آبروئی کی گئی ہے، اتنا خطرناک گناہ ہے۔

(مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الغیبۃ والنمیمۃ، ج ۸ ص ۹۱)

غیبت کرنے والے کو جنت سے روک دیا جائے گا

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ غیبت کرنے والے ہوں گے۔ انہوں نے بظاہر دنیا میں بڑے اچھے اعمال کئے ہوں گے، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، عبادتیں کیں، لیکن جس وقت وہ لوگ پل صراط پر سے گزریں گے — آپ حضرات جانتے ہیں کہ پل صراط ایک پل ہے جو جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے، ہر انسان کو اس کے اوپر سے گزرنا ہے، اب جو شخص جنتی ہے، وہ اس پل کو پار کر کے جنت میں پہنچ جائے گا، اور اللہ بچائے — جس کو جہنم میں جانا ہے، اس کو اسی پل کے اوپر سے نیچے کھینچ لیا جائے گا، اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا — لیکن غیبت کرنے والوں کو پل کے اوپر جانے سے روک دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ تم آگے نہیں بڑھ سکتے، جب تک اس غیبت کا کفارہ ادا نہ کر دو گے یعنی جس کی غیبت کی ہے ان سے معافی نہ مانگ لو گے، اور وہ تمہیں معاف نہ کر دے اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

بدترین سود غیبت ہے

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ سود اتنا زبردست گناہ ہے کہ اس کے اندر بے شمار خرابیاں ہیں، اور بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے، اور اس کا ادنی گناہ ایسا ہے — العیاذ باللہ — جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے، دیکھئے، سود پر اتنی سخت وعید آئی ہے، کہ ایسی وعید اور کسی گناہ پر نہیں

آئی۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بدترین سود یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی آبرو پر حملہ کرے، کتنی سخت وعید بیان فرمائی۔

(ابو داؤد، کتاب الادب باب فی الغیبة، حدیث نمبر ۴۸۷٦)

غیبت، مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے

ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو خواتین تھیں، انہوں نے روزہ رکھا، اور روزہ کی حالت میں دونوں خواتین آپس میں بات چیت کرنے میں مشغول ہو گئیں، جس کے نتیجے میں غیبت تک پہنچ گئیں کسی کا ذکر شروع ہوا تو اس کی غیبت بھی شروع ہو گئی ــ تھوڑی دیر بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور آکر بتایا کہ یا رسول اللہ ان دو خواتین نے روزہ رکھا تھا، مگر اب کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے، اور پیاس کی وجہ سے ان کی جان لبوں پر آرہی ہے، اور وہ خواتین مرنے کے قریب ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان خواتین نے غیبت کی ہے ــ چنانچہ آپ نے حکم فرمایا کہ ان خواتین کو میرے پاس لے آؤ، جب ان خواتین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے دیکھا کہ واقعتہً وہ لب دم آئی ہوئی ہیں، پھر آپ نے حکم دیا کہ ایک بڑا پیالہ لاؤ، چنانچہ پیالہ آیا تو آپ نے ان میں سے ایک خاتون کو حکم فرمایا کہ تم اس پیالے میں قے کرو، جب اس نے قے کرنی شروع کی تو قے کے ذریعہ اندر سے پیپ اور خون اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے۔ پھر دوسری خاتون سے فرمایا کہ تم قے کرو، جب اس نے قے کی تو اس میں بھی خون اور پیپ اور گوشت کے ٹکڑے خارج ہوئے۔ یہاں تک وہ پیالہ بھر گیا ــ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے ان بہنوں اور بھائیوں کا خون اور پیپ اور گوشت ہے جو تم دونوں نے روزے کی حالت کھایا تھا ــ

تم دونوں نے روزے کی حالت میں جائز کھانے سے تو اجتناب کر لیا، لیکن جو حرام کھانا تھا، یعنی دوسرے مسلمان بھائی کا خون اور گوشت کھانا اس کو تم نے نہیں چھوڑا، جس کے نتیجے میں تم دونوں کے پیٹوں میں یہ چیزیں بھر گئی تھیں، اس کی وجہ سے

تم دونوں کی یہ حالت ہوئی ــ اس کے بعد فرمایا کہ آئندہ کبھی غیبت کا ارتکاب مت کرنا ــ گویا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے غیبت کی صورت مثالی دکھا دی کہ غیبت کا یہ انجام ہوتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگوں کا ذوق خراب ہو گیا ہے۔ ہماری حس مٹ چکی ہے، جس کی وجہ سے گناہ کی شناعت اور قباحت دل سے جاتی رہی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ حس سلیم عطا فرماتے ہیں۔ اور ذوق سلیم عطا فرماتے ہیں۔ ان کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیتے ہیں۔

غیبت کرنے پر عبرت ناک خواب

چنانچہ ایک تابعی جن کا نام حضرت ربعی ہے۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک مجلس میں پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں، میں بھی اس مجلس میں بیٹھ گیا اب باتیں کرنے کے دوران کسی آدمی کی غیبت شروع ہو گئی، مجھے یہ بات بری لگی کہ ہم یہاں مجلس میں بیٹھ کر کسی کی غیبت کریں، چنانچہ میں اس مجلس سے اٹھ کر چلا گیا ــ اس لئے اگر کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو، تو آدمی کو چاہئے اس کو روکے، اور اگر روکنے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس گفتگو میں شریک نہ ہو۔ بلکہ اٹھ کر چلا جائے ــ چنانچہ میں چلا گیا، تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ اب اس مجلس میں غیبت کا موضوع ختم ہو گیا ہو گا، اس لئے میں دوبارہ اس مجلس میں جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اب تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر غیبت شروع ہو گئی، لیکن اب میری ہمت کمزور پڑ گئی، اور میں اس مجلس سے نہ اٹھ سکا، اور جو غیبت وہ لوگ کر رہے تھے، پہلے تو اس کو سنتا رہا اور پھر میں نے خود بھی غیبت کے ایک دو جملے کہہ دیئے۔

جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر واپس آیا اور رات کو سویا تو خواب میں ایک انتہائی سیاہ فام آدمی کو دیکھا، جو ایک بڑے سے طشت میں میرے پاس گوشت لے کر آیا۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ خنزیر کا گوشت ہے اور وہ سیاہ فام آدمی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ خنزیر کا گوشت کھاؤ، میں نے کہا کہ میں مسلمان آدمی ہوں، خنزیر کا

گوشت کیسے کھاؤں؟ اس نے کہا کہ نہیں، یہ تمہیں کھانا پڑے گا، اور پھر زبردستی اس نے گوشت کے ٹکڑے اٹھا کر میرے منہ میں ٹھونسنے شروع کر دیئے، اب میں منع کرتا جارہا ہوں۔ وہ ٹھونستا جارہا ہے یہاں تک کہ مجھے متلی اور قے آنے لگی، مگر وہ ٹھونستا جا رہا تھا، پھر اسی شدید اذیت کی حالت میں میری آنکھ کھل گئی۔ جب بیدار ہونے کے بعد میں نے کھانے کے وقت کھانا کھایا تو خواب میں جو خنزیر کے گوشت کا بدبودار اور خراب ذائقہ تھا، وہ ذائقہ مجھے اپنے کھانے میں محسوس ہوا، اور تیس دن تک میرا یہ حال رہا جس وقت بھی میں کھانا کھاتا، تو ہر کھانے میں اس خنزیر کے گوشت کا بدترین ذائقہ میرے کھانے میں شامل ہو جاتا۔ اور اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ذرا سی دیر جو میں نے مجلس میں غیبت کر لی تھی، اس کا برا ذائقہ میں تیس دن تک محسوس کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حرام کھانے کی ظلمت

بات دراصل یہ ہے کہ اس ماحول کی خرابی کی وجہ سے ہماری حس خراب ہو گئی ہے اس لئے گناہ کا گناہ ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ دعوت میں کھانے کے ایک دو لقمے کھالئے تھے۔ وہ کھانا کچھ مشتبہ سا تھا، اس کے حرام ہونے کا کچھ شبہ تھا۔ بعد میں فرماتے تھے کہ میں نے وہ ایک یا دو لقمے جو کھالئے تو اس کی ظلمت مہینوں تک قلب میں محسوس ہوتی رہی، اور بار بار برے خیالات دل میں آتے رہے، گناہ کرنے کے داعیے دل میں پیدا ہوتے رہے، اور گناہ کی طرف رغبت ہوتی رہی۔

گناہ کا اثر ایک یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اس ظلمت کے نتیجے میں دوسرے گناہ کرنے کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں، اور ان کی طرف آدمی بڑھنے لگتا ہے، اور گناہوں کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی حس کو درست فرما دے آمین۔ بہر حال یہ غیبت کا گناہ بڑا خطرناک گناہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ حس سلیم عطا فرما دے وہی جان سکتا ہے کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں، اس سے اندازہ کریں کہ

یہ غیبت کتنا بڑا گناہ ہے۔

غیبت کی اجازت کے مواقع

البتہ ایک بات ذرا سمجھ لیجئے وہ یہ کہ غیبت کی تعریف تو میں نے آپ کو بتا دی تھی کہ کسی کا پیٹھ پیچھے اس طرح ذکر کرنا کہ اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ میرا اس طرح ذکر کیا گیا ہے، تو اس کو ناگوار ہو، چاہے بات صحیح کی جا رہی ہو، یہ ہے غیبت ــ لیکن شریعت نے ہر چیز کی رعایت رکھی ہے، انسان کی فطرت کی بھی رعایت کی ہے، انسان کی جائز ضروریات کا بھی لحاظ رکھا ہے، لہٰذا غیبت سے چند چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے، اگرچہ بظاہر وہ غیبت ہیں۔ لیکن شرعاً جائز ہیں۔

دوسرے کے شر سے بچانے کے لئے غیبت کرنا

مثلاً ایک شخص ایک ایسا کام کر رہا ہے، جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اب اگر اس دوسرے کو اس کے بارے میں نہ بتایا گیا تو وہ اس کے ہاتھوں سے نقصان کا شکار ہو جائے گا۔ اس وقت اگر آپ اس دوسرے شخص کو بتا دیں کہ فلاں شخص سے ہوشیار رہنا تو ایسا کرنا جائز ہے ــ یہ بات خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دی، ہر بات بیان کر کے دنیا سے تشریف لے گئے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک صاحب ہماری طرف سامنے سے آرہے تھے، ابھی وہ صاحب راستے ہی میں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ

بئس اخو العشیرۃ

یہ شخص اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے ــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی کہ یہ برا آدمی ہے، ذرا ہوشیار رہنا چاہئے، جب وہ شخص مجلس میں آکر بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے مطابق نرم انداز میں گفتگو فرمائی، اس کے بعد جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص برا آدمی ہے، لیکن جب وہ

آدمی آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا تو آپ اس کے ساتھ بہت نرمی اور میٹھے انداز میں گفتگو کرتے رہے، یہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو، وہ بدترین شخص ہے جس کے شر کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں، یعنی اس آدمی میں طبیعت کے لحاظ سے فساد ہے، اگر اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کیا جائے تو فتنہ فساد کھڑا کر سکتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنی عادت کے مطابق اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا۔

(ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی المدارة، حدیث نمبر ۱۹۹۶)

علماء کرام نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو بتادیا کہ یہ برا آدمی ہے، بظاہر تو یہ غیبت ہے، اس لئے کہ اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کی جارہی ہے، لیکن یہ غیبت اس لئے جائز ہوئی کہ اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو متنبہ کر دیا جائے تاکہ آئندہ وہ اس کے کسی فساد کا شکار نہ ہو جائیں ــ لہٰذا کسی شخص کو دوسرے کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کر دی جائے تو یہ غیبت میں داخل نہیں، ایسا کرنا جائز ہے۔

اگر دوسرے کی جان کا خطرہ ہو

بلکہ بعض صورتوں میں اس کی برائی بیان کرنا واجب ہے، مثلاً ایک آدمی کو آپ نے دیکھا کہ وہ دوسرے پر حملے کرنے اور اس کی جان لینے کی تیاری کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں اس دوسرے شخص کو بتانا واجب ہے کہ تمہاری جان خطرے میں ہے تاکہ وہ اپنا تحفظ کر سکے، لہٰذا ایسے موقع پر غیبت جائز ہو جاتی ہے۔

علانیہ گناہ کرنے والے کی غیبت

ایک حدیث ہے، جس کا صحیح مطلب لوگ نہیں سمجھتے، اور وہ یہ کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"لاغیبة لفاسق ولا مجاھر"

(جامع الاصول ج ۸ ص ۴۵۰)

وہ یہ کہ "فاسق کی غیبت غیبت نہیں" اس کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص اگر کسی گناہ کبیرہ کے اندر مبتلا ہے تو اس کی جو چاہو، غیبت کرتے رہو، وہ جائز ہے یا جو بدعات میں مبتلا ہے، تو اس کی غیبت جائز ہے ــ حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص علانیہ فسق و فجور کے اندر مبتلا ہے مثلاً ایک شخص علی الاعلان کھلم کھلا شراب پیتا ہے، اب اگر کوئی شخص اس کے پیٹھ پیچھے یہ کہے کہ وہ شراب پیتا ہے تو یہ غیبت نہیں، اس لئے کہ وہ تو خود ہی اعلان کر رہا ہے کہ میں شراب پیتا ہوں، اب اگر اس کے پیچھے اس کے شراب پینے کا تذکرہ کیا جائے گا تو اس کو ناگواری نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ تو خود علانیہ لوگوں کے سامنے پیتا ہے، لہٰذا یہ غیبت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ بھی غیبت میں داخل ہے

لیکن جو کام وہ دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا، اگر اس کا تذکرہ آپ لوگوں کے سامنے کریں گے تو وہ غیبت میں داخل ہوگا۔ مثلاً وہ شخص کھلم کھلا شراب تو پیتا ہے، کھلم کھلا سود تو کھاتا ہے۔ لیکن کوئی گناہ ایسا ہے جو وہ چھپ کر کرتا ہے۔ اور لوگوں کے سامنے اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا، اور وہ گناہ ایسا ہے کہ اس کا نقصان دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا تو اب اس کی غیبت کرنا اور اس گناہ کا تذکرہ کرنا جائز نہیں، لہٰذا جس فسق و فجور کا ارتکاب وہ کھلم کھلا کر رہا ہو۔ اس کا تذکرہ غیبت میں داخل نہیں ورنہ غیبت میں داخل ہے۔ یہ مطلب ہے اس قول کا کہ "فاسق کی غیبت غیبت نہیں۔"

فاسق و فاجر کی غیبت جائز نہیں

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے، اسی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائیاں شروع کر دیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ٹوکا اور فرمایا کہ "دیکھو یہ جو تم ان کی برائیاں بیان کر رہے ہو، یہ غیبت ہے، اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سیکڑوں انسانوں کا خون ہے تو اب اس

کی غیبت حلال ہو گئی، حالانکہ اس کی غیبت حلال نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ جہاں حجاج بن یوسف سے ان سیکڑوں انسانوں کے خون کا حساب لیں گے جو اس کی گردن پر ہیں تو وہاں اس غیبت کا بھی حساب لیں گے جو تم اس کے پیچھے کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین

لہٰذا یہ مت سمجھو کہ فلاں شخص فاسق و فاجر اور بدعتی ہے، اس کی جتنی چاہو غیبت کر لو، بلکہ اس کی غیبت کرنے سے احتراز کرنا واجب ہے۔

ظالم کے ظلم کا تذکرہ غیبت نہیں

ایک اور موقع پر بھی غیبت کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ وہ یہ کہ ایک شخص نے تم پر ظلم کیا اور اب اس ظلم کا تذکرہ کسی دوسرے سے کرتے ہو کہ میرے ساتھ یہ ظلم ہوا ہے، اور یہ زیادتی ہوئی ہے۔ یہ غیبت نہیں اس میں گناہ نہیں۔ چاہے وہ شخص جس کے سامنے تم اس ظلم کا تذکرہ کر رہے ہو اس ظلم کا تدارک کر سکتا ہو۔ چاہے تدارک نہ کر سکتا ہو۔ مثلاً ایک شخص نے تمہاری چوری کر لی، اب جا کر تھانے میں اطلاع دو کہ فلاں شخص نے چوری کر لی ہے تو اب اگرچہ یہ اس کے پیٹھ پیچھے اس کا تذکرہ ہے، لیکن غیبت میں داخل نہیں، اس لئے کہ تمہیں نقصان پہنچایا گیا۔ تم پر ظلم کیا گیا اور اب تم نے اس ظلم کے خلاف جا کر شکایت کی۔ وہ تمہارے ظلم کا تدارک کر سکتے ہیں تو یہ غیبت میں داخل نہیں۔

لیکن اگر اس چوری کا تذکرہ ایسے شخص کے سامنے کیا جا رہا ہے جو اس ظلم کا تدارک نہیں کر سکتا مثلاً چوری کے واقعے کے بعد کچھ لوگ تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے سامنے تذکرہ کر دیا کہ آج رات فلاں شخص نے چوری کر لی، یا فلاں شخص نے ہمیں یہ نقصان پہنچا دیا، یا فلاں شخص نے ہمارے ساتھ یہ زیادتی کر دی تو یہ بیان کرنے میں کوئی گناہ نہیں، یہ غیبت میں داخل نہیں۔

دیکھئے: شریعت ہماری فطرت کی کتنی رعایت رکھتی ہے، انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب اس کے ساتھ ظلم ہو جائے تو کم از کم وہ اپنے غم کا دکھڑا رو کر اپنے دل کی تسلی کر سکتا ہے۔ چاہے دوسرا شخص اس کا تدارک کر سکتا ہو، یا نہ کر سکتا ہو، اس لئے شریعت

نے اجازت دیدی کہ اس کی اجازت ہے۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ
(سورۃ نساء: ١٤٨)

ویسے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ برائی کا تذکرہ کیا جائے البتہ جس شخص پر ظلم ہوا وہ اپنا ظلم دوسروں کے سامنے بیان کر سکتا ہے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں، بلکہ جائز ہے ۔۔۔ بہر حال، یہ مستثنیات ہیں جنہیں غیبت سے اللہ تعالیٰ نے نکال دیا ہے اس میں غیبت کا گناہ نہیں لیکن ان کے علاوہ ہم لوگ مجلس میں بیٹھ کر قصہ گوئی کے طور پر، وقت گزاری کے طور پر مجلس آرائی کے طور پر دوسروں کا ذکر شروع کر دیتے ہیں، یہ سب غیبت کے اندر داخل ہے۔ خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کر کے اس کا سدباب کرنے کی کوشش کریں۔ اور ذرا اس زبان کو قابو میں لائیں۔ اس کو تھوڑا سا لگام لگائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

غیبت سے بچنے کے لئے عزم اور ہمت

غیبت کا تذکرہ میں نے آپ کے سامنے کر دیا اور آپ نے سن لیا۔ لیکن محض کہنے سننے سے بات نہیں بنتی، جب تک عزم اور ارادہ نہ کیا جائے ہمت نہ کی جائے اور قدم آگے نہ بڑھایا جائے، یہ عزم کر لو کہ آج کے بعد اس زبان سے کوئی غیبت کا کلمہ نہیں نکلے گا انشاء اللہ، اور اگر کبھی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لو، اور صحیح علاج اس کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے، اس سے معافی مانگ لو کہ میں نے تمہاری غیبت کی ہے، مجھے معاف کر دو، بعض اللہ کے بندے یہ کام کرتے ہیں۔

غیبت سے بچنے کا علاج

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی غیبت کی تھی، مجھے معاف کر دیجئے، میں ان سے کہتا ہوں کہ میں تمہیں معاف کر دوں گا، لیکن ایک شرط ہے، وہ یہ کہ پہلے یہ بتا دو کہ کیا غیبت کی تھی؟ تاکہ مجھے پتہ تو چلے کہ میرے پیچھے کیا کہا جاتا ہے۔

کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا؟

اگر بتا دو گے تو میں معاف کر دوں گا۔ پھر فرمایا کہ میں اس حکمت سے پوچھتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ جو بات میرے بارے میں کہی ہو وہ درست ہو، اور واقعی میرے اندر وہ غلطی موجود ہو، اور پوچھنے سے وہ غلطی سامنے آ جائے گی تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچنے کی توفیق دے دیں گے، اس لئے میں پوچھ لیتا ہوں۔

لہٰذا اگر غیبت کبھی سرزد ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس سے کہہ دو کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے، اس وقت دل پر بہت آرے تو چلیں گے، اپنی زبان سے یہ کہنا تو بڑا مشکل کام ہے، لیکن علاج یہی ہے دو چار مرتبہ اگر یہ علاج کر لیا تو انشاء اللہ آئندہ کے لئے سبق ہو جائے گا بزرگوں نے اس سے بچنے کے دوسرے علاج بھی ذکر فرمائے ہیں مثلاً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے کا تذکرہ زبان پر آنے لگے تو اس وقت فوراً اپنے عیوب کا استحضار کر، و کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو عیب سے خالی ہو، اور یہ خیال لاؤ کہ خود میرے اندر تو فلاں برائی ہے، میں دوسروں کی کیا برائی بیان کروں، اور اس عذاب کا دھیان کرو جس کا بیان ابھی ہوا کہ ایک کلمہ اگر زبان سے نکال دوں گا، لیکن اس کا انجام کتنا برا ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ یا اللہ! اس بلا سے نجات عطا فرما دیجئے۔ جب کبھی مجلس میں کوئی تذکرہ آنے لگے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لو، یا اللہ یہ تذکرہ مجلس میں آ رہا ہے۔ مجھے بچا لیجئے، میں کہیں اس کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤں۔

غیبت کا کفارہ

البتہ بعض روایات میں ہے، جو اگرچہ ہیں تو ضعیف، لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔ کہ اگر کسی کی غیبت ہو گئی ہے تو اس غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لئے خوب دعائیں کرو، استغفار کرو، مثلاً فرض کریں کہ آج کسی کو غفلت سے تنبیہ ہوئی کہ واقعۃً آج تک ہم بڑی سخت غلطی کے اندر مبتلا رہے۔ معلوم نہیں کن کن لوگوں کی غیبت کر لی۔ اب آئندہ انشاء اللہ کسی کی غیبت نہیں کریں گے۔ لیکن اب تک جن کی غیبت کی ہے، ان کو کہاں کہاں تک یاد کریں اور ان سے کیسے معافی مانگیں؟ کہاں کہاں جائیں؟ اس لئے اب ان کے لئے دعا اور استغفار کر لو،

(مشکوٰۃ، کتاب الآداب باب حفظ اللسان، حدیث نمبر ۴۸۷۷)

حقوق کی تلافی کی صورت

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے تو یہ کیا تھا کہ ایک خط لکھ کر سب کو بھجوا دیا، اس خط میں یہ لکھا کہ زندگی میں معلوم نہیں آپ کے کتنے حقوق تلف ہوئے ہوں گے، کتنی غلطیاں ہوئی ہوں گی، میں اجمالی طور پر آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ اللہ کے لئے مجھے معاف کر دیجئے، یہ خط اپنے تمام اہل تعلقات کو بھجوا دیا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ان حقوق کو معاف کرا دیں گے۔

لیکن بالفرض ایسے لوگوں کے حقوق تلف کئے ہیں جن سے اب رجوع کرنا ممکن نہیں، یا تو ان کا انتقال ہو چکا ہے، یا کسی ایسی جگہ چلے گئے ہیں کہ ان کا پتہ معلوم کرنا ممکن نہیں تو ایسی صورت کے لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کی غیبت کی گئی تھی یا جن کے حقوق تلف کئے تھے ان کے حق میں خوب دعا کرو کہ یا اللہ میں نے اس کی جو غیبت کی تھی اس کو اس کے حق میں باعث ترقی درجات بنا دیجئے اور اس کو دین و دنیا کی ترقیات عطا فرمائے اور اسکے حق میں خوب استغفار کرو تو یہ بھی اس کی تلافی کی ایک شکل ہے۔

اگر ہم بھی اپنے اہل تعلقات کو اس قسم کا خط لکھ کر بھیج دیں تو کیا اس سے ہماری ہیٹی ہو جائے گی؟ یا بے عزتی ہو جائے گی؟ کیا بعید ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہماری معافی کا سامان کر دیں۔

معاف کرنے کرانے کی فضیلت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ کسی دوسرے سے معافی مانگے اور سچے دل سے مانگے اب اگر سامنے والا یہ دیکھ کر کہ یہ مجھ سے معافی مانگ رہا ہے نادم اور شرمندہ ہو رہا ہے اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس معاف کرنے والے کو اس دن معاف کرے گا جس دن اس کو معافی کی سب سے زیادہ حاجت ہوگی اور اگر ایک شخص نادم ہو کر معافی مانگ رہا ہے لیکن یہ شخص معافی دینے سے انکار کر رہا ہے کہ میں معاف نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اس کو اس دن معاف نہیں کروں گا جس دن

اس کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی جب تو میرے بندوں کو معاف نہیں کرتا تو تجھے کیسے معاف کیا جائے۔

اس لئے یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے ندامت کے ساتھ دوسرے سے معافی مانگ لی تو اس نے اپنا فریضہ ادا کر لیا اس سے عہدہ برا ہو گیا، چاہے دوسرا شخص معاف کرے یا نہ کرے۔ اس لئے حقوق کی معافی مانگ کر ہر وقت تیار رہنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معافی مانگنا

ارے ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کھڑے ہو گئے، اور تمام صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آج میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ اگر کسی شخص کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو، یا میں نے کسی کی جانی مالی کسی بھی اعتبار سے حق تلفی کی ہو تو آج میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں، اگر بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو، اور اگر مجھے معاف کرنا چاہتے ہو تو معاف کر دو، تاکہ کل قیامت کے دن تمہارا کوئی حق میرے اوپر باقی نہ رہے۔

بتائیے! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہ محسن اعظم اور پیشوائے اعظم جن کے ایک سانس کے بدلے صحابہ کرام اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے، وہ فرما رہے ہیں کہ اگر میں نے کسی کو مارا ہو یا تکلیف پہنچائی ہو تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے، چنانچہ ایک صحابی کھڑے ہو گئے، اور کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے ایک مرتبہ میری کمر پر مارا تھا، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ: آجاؤ، اور بدلہ لے لو، کمر پر مار لو، جب وہ صحابی کمر کے پیچھے آگئے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت آپ نے مجھے مارا تھا، اس وقت میری کمر ننگی تھی، اور اس وقت آپ کی کمر پر کپڑا ہے، اگر اسی حالت میں میں بدلہ لوں گا تو بدلہ پورا نہیں ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چادر اوڑھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ میں چادر اٹھا دیتا ہوں، چنانچہ جس وقت آپ نے چادر اٹھائی تو ان صحابی نے آگے بڑھ کر اس مہر نبوت کو چوم لیا، جو آپ کی پشت پر تھی، اور پھر ان صحابی نے فرمایا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ گستاخی میں نے صرف اس لئے کی تاکہ مجھے اس مہر نبوت کو بوسہ لینے کا موقع مل جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف فرمادیں۔
(مجمع الزوائد، باب فی وداعہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۹ ص ۲۷)

بہر حال اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو صحابہ کرام کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔ اگر ہم بھی اپنے اہل تعلقات کو یہ لکھ کر بھیج دیں تو اس سے ہمارا کیا بگڑ جائے گا، شاید اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں، اور اتباع سنت کی نیت سے جب یہ کام کریں تو اس سنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارا بیڑہ پار فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسلام کا ایک اصول

دیکھئے :اسلام کا ایک اصول ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ یہ کہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے لئے بھی وہی پسند کرو جو دوسرے کے لئے پسند کرتے ہو، اور دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اور جو اپنے ناپسند ہو وہ دوسرے کے لئے بھی ناپسند کرو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اس طرح پیٹھ پیچھے برائی سے تمہارا ذکر کرے تو اس وقت تمہارے دل پر کیا گزرے گی؟ تم اس کو اچھا سمجھو گے یا برا سمجھو گے؟ اگر تم اس کو برا سمجھتے ہو، اور اپنے لئے اس کو پسند نہیں کرتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو تم اپنے بھائی کے لئے پسند کرو؟ یہ دوہرے معیار وضع کرنا کہ اپنے لئے کچھ اور پیمانہ ہے، اور دوسرے کے لئے کچھ اور پیمانہ ہے۔ اسی کا نام منافقت ہے۔ گویا کہ غیبت کے اندر منافقت بھی داخل ہے، جب ان باتوں کو سوچو گے اور اس گناہ پر جو عذاب دیا جائے گا اس کو سوچو گے تو انشاء اللہ غیبت کرنے کے جذبے میں کمی آئے گی۔

غیبت سے بچنے کا آسان راستہ

ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو

یہاں تک فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ دوسرے کاذکر کرو ہی نہیں، نہ اچھائی سے ذکر کرو، اور نہ برائی سے ذکر کرو، کیونکہ یہ شیطان بڑا خبیث ہے، اس لئے کہ جب تم کسی کا ذکر اچھائی سے کرو گے کہ فلاں شخص بڑا اچھا آدمی ہے، اس کے اندر یہ اچھائی ہے، اس کے اندر یہ اچھائی ہے تو دماغ میں یہ بات رہے گی کہ میں اس کی غیبت تو نہیں کر رہا، بلکہ اچھائی سے اس کا ذکر کر رہا ہوں، لیکن پھر یہ ہوگا کہ اس کی اچھائیاں بیان کرتے کرتے شیطان کوئی جملہ درمیان میں ایسا ڈال دے گا جس سے وہ اچھائی برائی کے اندر تبدیل ہو جائے گی مثلاً وہ کہے گا کہ فلاں شخص ہے تو بڑا اچھا آدمی، مگر اس کے اندر فلاں خرابی ہے۔ یہ لفظ "مگر" آکر سارا کام خراب کر دے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گفتگو کا رخ غیبت کی طرف منتقل ہو جائے گا، اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسروں کا ذکر کرو ہی نہیں، اس لئے کہ دوسرے کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، نہ اچھائی سے کرو، اور نہ برائی سے کرو، اور اگر کسی کا ذکر اچھائی سے کر رہے ہو تو پھر ذرا کمر کس کے بیٹھو، تاکہ شیطان غلط راستے پر نہ ڈالے۔

اپنی برائیوں پر نظر کرو

ارے بھائی دوسروں کی برائی کیوں کرتے ہو، اپنی طرف نگاہ کرو، اپنے عیوب کا استحضار کرو، اگر دوسرے کے اندر کوئی برائی ہے تو اس برائی کا عذاب تمہیں نہیں ملے گا۔ اس برائی کا عذاب اور ثواب وہ جانے، اور اس کا اللہ جانے، تمہیں تو تمہارے اعمال کا صلہ ملنا ہے، اس کی فکر کرو:

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اپنی طرف دھیان کرو، اپنے عیوب کو دیکھو۔ دوسرے کے عیوب کا خیال انسان کو اسی وقت آتا ہے جب انسان اپنے آپ سے اور اپنی برائیوں سے بے خبر ہوتا ہے، لیکن جب اپنے عیوب کا استحضار ہوتا ہے اس وقت کبھی دوسرے کی برائی کی طرف خیال نہیں جاتا، دوسرے کی برائی کی طرف اس کی زبان ہی نہیں اٹھ سکتی۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے بڑے اچھے شعر کہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

تھے جب اپنی برائیوں سے بے خبر
رہے ڈھونڈتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائی پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے عیبوب کا استحضار ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے۔ آمین ــ یہ سارا فساد اس سے پیدا ہوتا ہے کہ اپنی طرف دھیان نہیں ہے، یہ خیال نہیں ہے کہ مجھے اپنی قبر میں جا کر سونا ہے، اس کا خیال نہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، مگر کبھی اس کی برائی ہو رہی ہے، کبھی اس کی برائی ہے، اس کے اندر فلاں عیب ہے۔ اس کے اندر فلاں عیب ہے، بس دن رات اس کے اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ خدا کے لئے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

گفتگو کا رخ بدل دو

جن حالات میں جس معاشرے سے ہم لوگ گزر رہے ہیں، اس کے اندر یہ کام ہے تو مشکل، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اگر اس سے بچنا انسان کے اختیار سے باہر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو حرام نہ کرتے، اس لئے اس سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے، جب کبھی مجلس کے اندر گفتگو کا موضوع تبدیل ہو تو اس کو واپس لے آؤ، اور اگر کبھی غیبت کے اندر مبتلا ہو جاؤ تو فوراً استغفار کرو، اور آئندہ بچنے کے لئے دوبارہ عزم کو تازہ کرو۔

"غیبت" تمام خرابیوں کی جڑ

یاد رکھو، یہ غیبت ایسی چیز ہے جو فساد پیدا کرنے والی ہے، جھگڑے اس کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں، باہمی نا اتفاقیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں، اور معاشرے میں اس وقت جو بگاڑ نظر آ رہا ہے، اس میں بہت بڑا دخل اس غیبت کا ہے، اگر کوئی شخص شراب پیتا ہو ــ العیاذ باللہ تو ــ جو شخص ذرا بھی دین سے تعلق رکھنے والا ہے، وہ اس کو بہت بری نگاہ سے دیکھے گا، اور اس کو برا سمجھے گا، اور یہ سوچے گا کہ یہ شخص بری لت کے اندر مبتلا ہے،

اور جو شخص مبتلا ہو، وہ خود یہ سوچے گا کہ مجھ سے بڑی غلطی ہو رہی ہے۔ میں ایک بڑے گناہ کے اندر مبتلا ہوں۔ لیکن ایک شخص غیبت کر رہا ہے تو اس کے بارے میں اتنی برائی کا احساس دل میں پیدا نہیں ہو گا، اور نہ خود غیبت کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی بڑے گناہ کے اندر مبتلا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گناہ کی برائی دلوں میں بیٹھی ہوئی نہیں، اور اس کی حقیقت کا پورے طریقے سے اعتقاد نہیں ہے، ورنہ دونوں گناہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر اس کو برا سمجھ رہے ہیں، تو اس کو بھی برا سمجھنا چاہئے، اس لئے اس کی برائی دلوں میں پیدا کرو کہ یہ کتنی خطرناک بیماری ہے۔

اشارہ کے ذریعہ غیبت کرنا

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود تھیں۔ باتوں باتوں میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آگیا، اب بتقاضہ بشری سوکنوں کے اندر آپس میں ذرا سی چشمک ہوا کرتی ہے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد ذرا چھوٹا تھا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر دیا کہ وہ چھوٹے قد والی ٹھگنی ہیں۔ زبان سے یہ نہیں کہا کہ وہ ٹھگنی ہیں۔ بلکہ صرف ہاتھ سے اشارہ کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! آج تم نے ایک ایسا عمل کیا کہ اگر اس عمل کی بو اور اس کا زہر سمندر میں ڈال دیا جائے تو پورے سمندر کو بدبو دار اور زہریلا بنا دے۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کے معمولی اشارے کی کتنی شناعت بیان فرمائی ہے اور پھر فرمایا کہ کوئی شخص مجھے ساری دنیا کی دولت لاکر دے دے تو بھی میں کسی کی نقل اتارنے کو تیار نہیں، جس میں دوسرے کا استہزاء ہو جس میں اس کی برائی کا پہلو نکلتا ہو۔

(ترمذی، ابواب صفة القیامة، حدیث نمبر ۲۶۲۴)

غیبت سے بچنے کا اہتمام کریں

اب تو نقل اتارنا فنون لطیفہ کے اندر داخل ہے، اور وہ شخص تعریف و توصیف

کے کلمات کا مستحق ہوتا ہے۔ جس کو دوسرے کی نقل اتارنے کا فن آتا ہو، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ کوئی شخص ساری دنیا کی دولت بھی لاکر دے دے تب بھی میں نقل اتارنے کو تیار نہیں، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے اہتمام سے ان باتوں سے روکا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں کیا ہوگیا کہ ہم شراب پینے کو برا سمجھیں گے، زنا کاری کو برا سمجھیں گے، لیکن غیبت کو برا نہیں سمجھتے، اس کو شیر مادر سمجھا ہوا ہے۔ کوئی مجلس اس سے خالی نہیں خدا کے لئے اس سے بچنے کا اہتمام کریں۔

غیبت سے بچنے کا طریقہ

اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی برائی ذہن نشین کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یااللہ! یہ غیبت بڑا سنگین گناہ ہے، میں اس سے بچنا چاہتا ہوں لیکن مجلسوں میں دوست احباب اور عزیز و اقارب سے باتیں کرتے ہوئے غیبت کی باتیں بھی ہو جاتی ہیں، اے اللہ! میں اپنی طرف سے اس بات کا عزم کر رہا ہوں کہ آئندہ غیبت نہیں کروں گا۔ لیکن اس عزم پر قائم اور ثابت رہنا آپ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں اے، اللہ! اپنی رحمت سے مجھے اس کی توفیق عطا فرما، اے اللہ! مجھے ہمت عطا فرما، حوصلہ عطا فرما دیجئے۔ عزم کر کے یہ دعا کرلیں۔ یہ کام آج ہی کرلیں۔

غیبت سے بچنے کا عزم کریں

دیکھو جب تک انسان کسی کام کا عزم اور ارادہ نہیں کرلیتا۔ اس وقت تک دنیا میں کوئی کام نہیں ہو سکتا، اور دوسری طرف شیطان ہر اچھے کام کو ٹلاتا رہتا ہے۔ اچھا یہ کام کل سے شروع کریں گے، جب کل آئی تو کوئی عذر پیش آگیا، اب کہا کہ اچھا کل سے شروع کریں گے، اور وہ کل پھر آتی ہی نہیں، جو کام کرنا ہو وہ ابھی کرلو، اس لئے کہ جس کام کو ٹلا دیا، وہ ٹل گیا۔

دیکھئے! اگر کسی کو روزگار نہ مل رہا ہو تو وہ روزگار کے لئے بے چین ہو گا یا

نہیں؟ کسی پر اگر قرضہ ہو تو وہ قرضہ ادا کرنے کے لئے بے چین ہو گا یا نہیں؟ اگر کوئی بیمار ہے تو وہ شفا حاصل کرنے تک بے چین ہے یا نہیں؟ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اندر اس بات کی بے چینی کیوں نہیں کہ ہم سے یہ بری عادت نہیں چھوٹ رہی ہے؟ بے چینی پیدا کر کے دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ میں اس برائی سے بچنا چاہتا ہوں۔ اپنی رحمت سے اس برائی سے بچا لیجئے، اور ہمیں استقامت عطا فرما دیجئے، دعا کرنے کے بعد اس بات کا عزم کر کے اپنے اوپر پابندی عائد کریں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے کام نہ چلے تو اپنے اوپر جرمانہ مقرر کر لو، مثلاً یہ عزم کریں کہ جب کبھی غیبت ہوگی تو دو رکعت نفل پڑھوں گا، یا اتنی رقم صدقہ کروں گا، اس طرح کرنے سے رفتہ رفتہ انشاء اللہ اس سے نجات ہو جائے گی، اور اس بیماری سے نجات حاصل کرنی ہے، اور اس کی بے چینی ایسی ہی پیدا کرنی ہے جیسے بیماری آدمی علاج کرانے کے لئے بے چین ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ بھی ایک بیماری ہے۔ اور خطرناک ترین بیماری ہے، اور جسمانی بیماری سے زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ یہ بیماری جہنم کی طرف لے جا رہی ہے۔ لہٰذا خود بھی اس سے بچیں، اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائیں، اس لئے کہ خاص طور سے خواتین کے اندر یہ وبا بہت زیادہ عام ہے جہاں چار عورتیں بیٹھیں، بس کسی نہ کسی کا ذکر شروع ہو گیا، اور اس میں غیبتیں شروع ہو گئیں، اگر خواتین اس پر عمل کر لیں، اور اس گناہ سے بچ جائیں تو گھرانوں کی اصلاح ہو جائے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

"چغلی" ایک سنگین گناہ

ایک اور گناہ جو غیبت سے ملتا جلتا ہے، اور اتنا ہی سنگین ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ سنگین ہے۔ وہ ہے "چغلی" عربی زبان میں اس کو "نمیمۃ" کہتے ہیں۔ اردو زبان میں "نمیمۃ" کا ترجمہ چغلی سے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ "نمیمۃ" کی حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کی کوئی برائی دوسرے کے سامنے اس نیت سے کی جائے تاکہ سننے والا اس کو کوئی تکلیف پہنچائے، اور یہ شخص خوش ہو کہ اچھا ہوا اس کو یہ تکلیف پہنچی، یہ ہے نمیمۃ کی تعریف، اور اس میں ضروری نہیں کہ جو برائی اس

نے بیان کی ہو، وہ حقیقت میں اس کے اندر موجود ہو چاہے وہ برائی اس کے اندر موجود ہو، یا نہ ہو، لیکن تم نے محض اس وجہ سے اس کو بیان کیا تاکہ دوسرا شخص اس کو تکلیف پہنچائے۔ یہ "نمیمۃ" ہے۔

"چغلی" غیبت سے بدتر ہے

قرآن وحدیث میں اس کی بہت زیادہ مذمت برائی بیان کی گئی ہے۔ اور یہ غیبت سے بھی زیادہ شدید اس وجہ سے ہے کہ غیبت میں نیت کا برا ہونا ضروری نہیں کہ جس کی میں غیبت کر رہا ہوں۔ اس کو کوئی تکلیف اور صدمہ پہنچے، لیکن نمیمۃ میں بدنیتی کا ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے یہ نمیمۃ دو گناہوں کا مجموعہ ہے، ایک تو اس میں غیبت ہے۔ دوسرے یہ کہ دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانے کی خواہش اور نیت بھی ہے، اس لئے اس میں ڈبل گناہ ہے، اور اس لئے قرآن وحدیث میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، چنانچہ فرمایا کہ

"هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ"

(سورۃ القلم: ۱۱)

کافروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس شخص کی طرح چلتے ہیں جو دوسروں کے اوپر طعنے دیتا ہے، اور چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"لا يدخل الجنة قتات"

(بخاری، کتاب الادب، باب ما یکرہ من النمیمۃ)

"قتات" یعنی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا، "قتات" بھی چغل خور کو کہتے ہیں۔

عذاب قبر کے دو سبب

اور ایک حدیث مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک جگہ پر دیکھا کہ دو قبریں بنی

ہوئی ہیں۔ جب آپ ان قبروں کے قریب پہنچے تو آپ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا کہ:

انهما ليعذبان

ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر عذاب قبر منکشف فرما دیا تھا۔ یہ عذاب قبر ایسی چیز ہے کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر کے اندر عذاب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اس عذاب کی آوازیں ہم لوگوں سے چھپالی ہیں، ورنہ اگر اس عذاب کی آوازیں ہم لوگ سننے لگیں تو کوئی انسان زندہ نہ رہ سکے، اور زندگی میں کوئی کام نہ کر سکے، اس لئے یہ اس کی رحمت ہے کہ انہوں نے اس کو چھپالیا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے کسی بندے پر اسکو ظاہر بھی فرما دیتے ہیں بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ پھر صحابہ کرام سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ان دونوں کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے؟ پھر فرمایا

ان کو ایسی دو باتوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے کہ ان باتوں سے بچنا ان کے لئے کچھ مشکل نہیں تھا، اگر یہ لوگ چاہتے تو آسانی سے بچ سکتے تھے، لیکن یہ بچے نہیں اس کی وجہ سے یہ عذاب ہو رہا ہے۔ ایک یہ کہ ان میں سے ایک صاحب پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتے تھے۔ احتیاط نہیں کرتے تھے، مثلاً ایسی جگہ پر پیشاب کر دیا جس کی وجہ سے جسم پر چھینٹیں آگئیں۔ خاص طور پر اس زمانے میں اونٹ بکریاں چرانے کا بہت رواج تھا۔ اور ہر وقت ان جانوروں کے ساتھ رہنا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر ان کی چھینٹیں پڑ جاتی تھیں۔ اس سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۹)

پیشاب کی چھینٹوں سے بچئے

یہ بڑی فکر کی بات ہے، الحمد للہ ہمارے یہاں اسلام میں طہارت کے آداب تفصیل کے ساتھ سکھائے ہیں کہ کس طرح طہارت کرنی چاہئے، لیکن آج مغربی تہذیب کے زیر اثر ظاہری صفائی ستھرائی کا تو بڑا اہتمام ہے، لیکن طہارت شرعیہ کے احکام کی طرف دھیان نہیں۔ بیت الخلاء ایسے طریقوں سے بنائے جاتے ہیں کہ ان میں چھینٹوں

سے احتیاط نہیں ہوتی ـــــ

اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"استنزھوا عن البول، فان عامة عذاب القبر فیه"

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۸)

یعنی پیشاب سے بچو، اس لئے کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے پیشاب کی چھینٹوں کا جسم پر لگ جانا کپڑوں پر لگ جانے کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

"چغلی" سے بچئے

اور دوسرے صاحب کو اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ دوسروں کی چغلی بہت کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چغلی کو قبر کے عذاب کا سبب قرار دیا اس لئے یہ چغلی کا عمل غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ اس میں بدنیتی سے دوسروں کے سامنے برائی بیان کرتا ہے، تاکہ دوسرا شخص اس کو تکلیف پہنچائے۔

راز فاش کرنا چغلی ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے کہ دوسروں کا کوئی راز فاش کر دینا بھی چغلی کے اندر داخل ہے۔ ایک آدمی یہ نہیں چاہتا ہے کہ میری یہ بات دوسروں پر ظاہر ہو، وہ بات اچھی ہو، یا بری ہو، اس سے بحث نہیں، مثلاً ایک مالدار آدمی ہے، اور وہ اپنی دولت دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں کو یہ معلوم ہو کہ میرے پاس اتنی دولت ہے اب آپ نے کسی طرح سن گن لگا کر پتہ لگالیا کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے۔ اب آپ ہر شخص سے کہتے پھر رہے ہیں کہ اس کے پاس اتنی دولت ہے۔ یہ جو اس کا راز آپ نے افشاء کر دیا۔ یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے اور حرام ہے۔

یا مثلاً ایک شخص نے اپنے گھریلو معاملات کے اندر کوئی پلان یا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ آپ نے کسی طرح پتہ چلا کر دوسروں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہ چغلی ہے۔

اسی طرح کسی کا کسی قسم کا راز ہو، اس کی اجازت کے بغیر دوسروں پر افشا کرنا چغلی کے اندر داخل ہے۔ ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

المجالس بالامانة

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی نقل الحدیث، نمبر ۴۸۶۹)

مجلسوں کے اندر جو بات کی جاتی ہے۔ وہ بھی امانت ہے۔ مثلاً کسی شخص نے آپ کو محرم راز سمجھ کر راز دار سمجھ کر مجلس میں آپ سے ایک بات کہی۔ اب وہ بات جاکر آپ دوسروں سے نقل کر رہے ہیں۔ تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ اور یہ بھی چغلی کے اندر داخل ہے۔

زبان کے دو اہم گناہ

بہر حال زبان کے گناہوں میں سے آج دو اہم گناہوں کا بیان کرنا مقصود تھا۔ یہ دونوں گناہ بڑے عظیم اور سنگین ہیں۔ ان کی سنگینی آپ نے احادیث کے اندر سنیں لیکن جتنے یہ سنگین ہیں آج ان کی طرف سے اتنی ہی بے پروائی اور غفلت ہے۔ مجلسیں ان سے بھری ہوئی ہیں گھر ان سے بھرے ہیں زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے۔ رکنے کا نام نہیں لیتی۔ خدا کے لئے اس کو لگام دو۔ اور اس کو قابو کرو، اور اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مطابق اس کو چلانے کی فکر کرو، ورنہ اس کا انجام یہ ہے کہ اس کی وجہ سے گھر کے گھر تباہ ہو رہے ہیں۔ آپس میں ناچاقیاں ہو رہی ہیں۔ فتنے ہیں عداوتیں ہیں۔ دشمنیاں ہیں۔ خدا جانے کتنے گناہوں اور فتنوں کا ذریعہ ہے، اور آخرت میں تو اس کی وجہ سے جو عذاب ہونے والا ہے۔ وہ اپنی جگہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے اس کی شناعت اور قباحت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

سونے کے آداب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۴ ستمبر ۱۹۹۳ء
مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی
وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴
صفحات :

یہ آداب و مستحبات جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں۔ یہ اگرچہ فرض وواجب تو نہیں، لیکن ان کے انوار وبرکات بے شمار ہیں۔ اور یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ہیں، اس لئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ ان آداب کو اختیار کرے۔ یہ ان کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرمادیا کہ اگر اختیار نہیں کروگے تو گناہ نہیں دیں گے، ورنہ یہ آداب کرانا مقصود ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سونے کے آداب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله اما بعد

سوتے وقت کی طویل دعا

"عن البراء بن عازب رضي الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اوى الى فراشه نام على شقه الايمن، ثم قال: اللهم اسلمت نفسي اليك، ووجهت وجهي اليك، وفوضت امري اليك، والجات ظهري اليك، رغبة ورهبة اليك، لا ملجا ولا منجا منك الا اليك، آمنت بكتابك الذي انزلت وبنبيك الذي ارسلت"

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا نام)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت کی دعا سکھائی ہے اور سونے کا طریقہ بتایا ہے۔ کہ جب بستر پر جاؤ تو کس طرح لیٹو، کس طرح سو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتیں اور رحمتیں اس امت کے لئے دیکھیں کہ ایک ایک چیز کا طریقہ بتارہے ہیں۔ جس طرح ماں باپ اپنے بچے کو ایک ایک چیز سکھاتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بات اس امت کو سکھائی ہے۔ ایک اور حدیث میں انہی صحابی سے روایت ہے کہ:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اتیت مضجعك فتوضا وضوءك للصلاۃ، ثم اضطجع علی شقك الایمن وقل " وذکر نحوہ"

(حوالہ سابقہ)

سوتے وقت وضو کر لیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم بستر پر سونے کے لئے جانے لگو تو ویسا ہی وضو کر لو جیسا کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، کہ آدمی وضو کر کے سوئے۔ اگر کوئی شخص وضو کے بغیر سو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ سونے کے واسطے وضو کرنا کوئی فرض و واجب نہیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا ادب یہ بتایا کہ سونے سے پہلے وضو کر لو۔

یہ آداب محبت کا حق ہیں

یہ آداب اور مستحبات جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں۔ یہ اگرچہ فرض و واجب تو نہیں، لیکن ان کے انوار و برکات بے شمار ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات اللہ جل جلالہ کی عظمت کا حق ہیں، اور یہ آداب و مستحبات اللہ جل جلالہ کی محبت کا حق ہیں، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ہیں، جو آداب آپ نے

تلقین فرمائے ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ ان آداب کو اختیار کرے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرمادیا کہ اگر ان کو اختیار نہیں کروگے تو کوئی گناہ نہیں دینگے، ورنہ یہ آداب و مستحبات ادا کرانا مقصود ہے۔ ایک مومن بندہ وہ تمام آداب و مستحبات بجالائے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے، اس لئے حتی الامکان ان کو اختیار کرنا چاہئے۔

داہنی کروٹ پر لیٹیں

بہرحال، سونے سے پہلے وضو کرنا ادب ہے، اب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی حکمت کی انتہا کو کون پہنچ سکتا ہے۔ خدا معلوم اس حکم میں کیا کیا انوار و برکات پوشیدہ ہیں۔ اس کے بعد سونے کا طریقہ بتا دیا کہ دائیں کروٹ پر لیٹو، یہ بھی آداب میں ہے کہ انسان جب سونے کے لئے بستر پر لیٹے تو ابتداءً دائیں کروٹ پر لیٹے، بعد میں اگر ضرورت ہو تو کروٹ بدل دے، وہ ادب کے خلاف نہیں ہے اور لیٹ کر یہ الفاظ زبان سے ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ اور تعلق قائم کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اور یہ دعا پڑھو:

اللهم اسلمت نفسی الیك ووجهت وجهی الیك، و فوضت امری الیك، والجات ظهری الیك، رغبةً ورهبةً الیك، لا ملجا ولا منجا منك الا الیك، آمنت بکتابك الذی انزلت، ونبیك الذی ارسلت"

دن کے معاملات اللہ کے سپرد کر دو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا میں ایسے عجیب و غریب الفاظ لائے ہیں کہ آدمی ان الفاظ پر قربان ہو جائے، فرمایا کہ اے اللہ، میں نے اپنے نفس کو آپ کے تابع بنا دیا، اس کا ترجمہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اے اللہ، میں نے اپنے نفس کو آپ کے حوالے کر دیا، اور میں نے اپنا رخ آپ کی طرف کر دیا، اور اے اللہ، میں نے اپنے سارے معاملات آپ کو سونپ دیئے،

مطلب یہ ہے کہ سارا دن تو دوڑ دھوپ میں لگا رہا۔ کبھی رزق کی تلاش میں۔ کبھی نوکری کی تلاش میں۔ کبھی تجارت میں۔ کبھی صنعت میں۔ اور کبھی کسی اور دھندے میں لگا رہا، یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا۔ ساری کارروائیاں کر کے گھر پہنچ گیا، اور اب سونے کے لئے لیٹنے لگا ـــــ اور انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ رات کو بستر پر سونے کے لئے لیٹتا ہے۔ تو جو کچھ دن میں حالات گزرے ہیں۔ اس کے خیالات دل پر چھا جاتے ہیں، اور پھر اس کو یہ فکر اور تشویش لاحق ہوتی ہے کہ خدا جانے کل کیا ہو گا؟ جو کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس کا کیا بنے گا؟ دکان چھوڑ کر آیا ہوں۔ کہیں رات کو چوری نہ ہو جائے۔ یہ سب اندیشے اور تشویشات رات کو سوتے وقت انسان کو ہوتے ہیں، اور یہ اندیشے دل کو ستاتے ہیں، اس لئے دعا کر لو کہ یااللہ دن میں تو جو کام مجھ سے ہو سکے، میں کرتا رہا، اب تو یہ سارے معاملات میں نے آپ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ دن میں جو کچھ کر سکتا تھا وہ کر لیا، اب میرے بس میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ ہی کی طرف رجوع کروں، اور آپ ہی سے مانگوں، کہ یااللہ، جو معاملات میں نے کئے ہیں۔ ان کو انجام تک پہنچا دیجئے،

سکون و راحت کا ذریعہ "تفویض" ہے

یہی "تفویض" ہے، اور اسی کا نام توکّل ہے کہ اپنے کرنے کا جو کام تھا وہ کر لیا، اپنے بس میں جتنا تھا وہ کر گزرے، اور اس کے بعد اللہ کے حوالے کر دیا کہ یااللہ۔ اب آپ کے حوالے ہے، اس دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا کہ اب تم سونے کے لئے جا رہے ہو۔ تو ان خیالات اور پریشانیوں کو دل سے نکال دو، اور اللہ کے حوالے کر دو۔

سپردم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

سپردگی اور "تفویض" کے لطف اور اس کے کیف اور مزے کا اندازہ انسان کو اس وقت تک نہیں ہوتا، جب تک یہ سپردگی اور تفویض کی حالت اور کیفیت انسان پر گزرتی نہیں ـــــ یاد رکھو، دنیا میں عافیت، اطمینان اور سکون کا کوئی راستہ تفویض اور

توکل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، بس انسان اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، ہر کام کے لئے دوڑ دھوپ کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد سے آگے انسان کچھ نہیں کر سکتا ــــ ایک مسلمان اور کافر میں یہی فرق ہے کہ ایک کافر ایک کام کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ محنت کرتا ہے۔ کوشش کرتا ہے۔ جدوجہد کرتا ہے اور پھر سارا بھروسہ اسی کوشش پر کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت تشویشات اور اندیشوں میں مبتلا رہتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ "توکل" اور "تفویض" کی نعمت عطا فرماتے ہیں۔ وہ اللہ میاں سے کہتا ہے کہ یا اللہ، میرے بس میں اتنا کام تھا۔ جو میں نے کر لیا۔ اب آگے آپ کے حوالے ہے اور آپ کا جو فیصلہ ہے۔ اس پر میں راضی ہوں ــــ یاد رکھو، جب انسان کے اندر یہ "تفویض" کی صفت پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا کے اندر اس کو ناقابل برداشت پریشانی نہیں آتی ــــ بہرحال، سوتے وقت یہ دعا کر لو کہ یا اللہ، میں نے تمام معاملات آپ کے سپرد اور آپ کے حوالے کر دیئے۔

پناہ کی جگہ ایک ہی ہے

آگے فرمایا:

"والجات ظهري اليك، رغبةً ورهبةً اليك، لاملجا ولا منجا منك الا اليك"

اور میں نے اپنے آپ کو آپ کی پناہ حاصل کرنے والا بنا دیا، یعنی میں نے آپ کی پناہ پکڑی، آپ کی پناہ میں آگیا، اور اب ساری دنیا کے وسائل اور اسباب سب منقطع کر لئے۔ اب سوائے آپ کی پناہ کے میرا کوئی سہارا نہیں، اور اس حالت میں ہوں کہ آپ کی طرف رغبت بھی ہے۔ آپ کی رحمت کی امید بھی ہے کہ آپ رحمت کا معاملہ فرمائیں گے، لیکن ساتھ میں خوف بھی ہے۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کا ڈر بھی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بات پر گرفت ہو جائے، اس حالت میں لیٹ رہا ہوں ــــ آگے کیا عجیب جملہ فرمایا۔ "لا ملجا ولا منجا منک الا الیک" کہ آپ سے بچ کر جانے کی کوئی اور جگہ سوائے آپ کے نہیں ہے کہ خدانہ کرے ــــ اگر آپ کا کوئی قہر آجائے۔ یا آپ کا عذاب آجائے تو ہم بچ کر کہاں جائیں، اس لئے کہ کوئی اور پناہ کی جگہ ہے نہیں، پھر لوٹ کر

آپ ہی کے پاس آنا پڑے گا کہ اے "اللہ" اپنے غضب اور قہر سے بچا لیجئے۔

تیر چلانے والے کے پہلو میں بیٹھ جاؤ

ایک بزرگ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم یہ تصور کرو کہ ایک زبردست قوت ہے، اور اس کے ہاتھ میں کمان ہے، اور یہ پورا آسمان اس کمان کی قوس ہے، اور زمین اس کی تانت ہے، اور حوادث اور مصیبتیں اس کمان سے چلنے والے تیر ہیں، اب یہ دیکھو کہ ان حوادث کے تیروں سے بچنے کا راستہ کیا ہے؟ کیسے ان سے بچیں؟ کہاں جائیں؟ پھر خود ہی ان بزرگ نے جواب دیا کہ ان تیروں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ خود اسی تیر چلانے والے کے پاس جا کر کھڑا ہو جائے، ان تیروں سے بچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے، یہی مفہوم ہے ان الفاظ کا کہ:

"لا ملجا ولا منجا منك الا اليك"

ایک نادان بچے سے سبق لو

میرے ایک بڑے بھائی ہیں ان کا ایک پوتا ہے۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ اس پوتے کی ماں اس پوتے کو کسی بات پر مار رہی ہیں، لیکن عجیب منظر یہ دیکھا کہ ماں جتنا مارتی جا رہی ہے۔ بچہ اسی ماں کی گود میں چڑھتا جا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ وہاں سے بھاگے، وہ تو اور گود کے اندر گھس رہا ہے، اور ماں سے لپٹا جا رہا ہے ــــ یہ بچہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ بچہ جانتا ہے کہ اس ماں کی پٹائی سے بچنے کا راستہ بھی اسی ماں ہی کے پاس ہے، اور اسی ماں ہی کے پاس جا کر قرار اور سکون ملے گا، اس ماں کی گود کے علاوہ کوئی اور سکون اور قرار کی جگہ بھی نہیں ہے ــــ اس نادان بچے کو تو اتنا فہم ہے، وہ جانتا ہے کہ کہیں اور قرار نہیں ملے گا۔

یہی فہم اور ادراک نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت اور تکلیف آئی ہے، تو پناہ بھی اسی کے پاس ہے، اسی سے مانگو کہ یا اللہ، اس مصیبت اور تکلیف کو دور فرما دیجئے، آپ کے علاوہ کوئی پناہ کی جگہ بھی نہیں، اس لئے آپ ہی سے آپ کے عذاب سے پناہ مانگتے

ہیں۔

سیدھے جنت میں جاؤ گے

آگے فرمایا:۔

"آمنت بکتابك الذی انزلت و نبیك الذی ارسلت"

یعنی میں ایمان لایا آپ کی کتاب پر جو آپ نے نازل کی، اور آپ کے نبی پر جو آپ نے بھیجا، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور پھر فرمایا کہ یہ کلمات سونے سے پہلے کہو، اور یہ کلمات تمہاری آخری گفتگو ہو۔ اس کے بعد کوئی اور بات نہ کرو، بلکہ سو جاؤ۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو سوتے وقت چند کام کر لیا کرو۔ ایک تو دن کے بھر کے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو۔ بلکہ سارے پچھلے گناہوں سے توبہ کر لیا کرو۔ اور وضو کر لیا کرو۔ اور یہ مذکورہ بالا دعا پڑھ لیا کرو۔ اس دعا کے ذریعہ ایمان کی بھی تجدید ہو گئی۔ اب اس کے بعد داھنی کروٹ پر سو جاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ساری نیند عبادت بن گئی، اور اگر اس حالت میں رات کو سوتے سوتے موت آ گئی تو انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے، اللہ نے چاہا تو کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

سوتے وقت کی مختصر دعا

" وعن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا اخذ مضجعة من اللیل وضع یدہ تحت خدہ ثم یقول: اللھم باسمك اموت واحییٰ واذا استیقظ قال: الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور"

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا نام)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت اپنے بستر پر تشریف لے جاتے، تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے

نیچے رکھ لیتے تھے، اور پھر یہ دعا پڑھتے "اللھم باسمک اموت و احیا" اے اللہ، میں آپ کے نام سے مرتا ہوں۔ آپ کے نام سے جیتا ہوں۔

نیند ایک چھوٹی موت ہے

اس سے پہلے جو حدیث گزری اس میں طویل دعا منقول تھی، اور اس حدیث میں مختصر دعا منقول ہے، بہرحال، سوتے وقت دونوں دعائیں پڑھنا ثابت ہیں، لہٰذا کبھی ایک دعا پڑھ لی جائے، اور کبھی دوسری دعا پڑھ لی جائے، اور اگر دونوں دعاؤں کو جمع کر لیا جائے تو اور بھی اچھا ہے، اور یہ دوسری دعا تو بہت ہی مختصر ہے، اس کو یاد رکھنا بھی آسان ہے، اس مختصر دعا میں سوتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف توجہ دلادی کہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے۔ اس لئے کہ نیند میں انسان دنیا و مافیھا سے بے خبر ہو جاتا ہے، جیسا کہ مردہ بے خبر ہوتا ہے۔ اس لئے اس چھوٹی موت کے وقت اس بڑی موت کا احساس کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے، یہ چھوٹی نیند تو مجھے روزانہ آتی ہے اور عام طور پر میں اس سے بیدار ہو جاتا ہوں لیکن ایک نیند آنے والی ہے۔ جس سے بیداری قیامت کے دن ہوگی، اس کا استحضار کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں مدد مانگی جائے۔ کہ اے اللہ، میں آپ ہی کے نام پر مرتا ہوں۔ اور جیتا ہوں۔

بیدار ہونے کی دعا

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے، "الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور" یعنی اے اللہ، آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی، اور بالآخر اسی کی طرف ایک دن لوٹ کر جانا ہے ___ یعنی آج یہ موت آئی وہ چھوٹی موت تھی، اس سے بیداری ہو گئی۔ زندگی کی طرف واپسی ہو گئی، لیکن بالآخر ایک ایسی نیند آنے والی ہے، جس کے بعد واپسی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی، اس دنیا کی طرف نہیں ہوگی ___

موت کو کثرت سے یاد کرو

قدم قدم پر حضور اقدس اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو باتیں سکھا رہے ہیں۔ ایک تعلق مع اللہ، اور رجوع الی اللہ، یعنی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ قدم قدم پر اللہ کا ذکر کرو ـــ اور دوسرے آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے کہ جب روزانہ انسان سوتے وقت اور جاگتے وقت یہ دعائیں پڑھے گا تو اس کو ایک نہ ایک دن موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا دھیان ضرور آئے گا۔ کب تک یہ دھیان اور خیال نہیں آئے گا۔ کب تک غفلت میں مبتلا رہے گا ـــ اس لئے یہ دعائیں آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے بڑی اکسیر ہیں، حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اکثروا ذکرھاذم اللذات الموت"

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر ۲۳۶۰)

یعنی اس چیز کا ذکر کثرت سے کرو جو تمام لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔ یعنی موت، اس لئے کہ موت کو یاد کرنے سے موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا احساس خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں جو خرابیاں آگئی ہیں۔ وہ غفلت کی وجہ سے آئی ہیں۔ موت سے غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس سے غفلت ہے، اگر یہ غفلت دور ہو جائے، اور یہ بات مستحضر ہو جائے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ تو پھر انسان اپنے ہر قول اور فعل کو سوچ سوچ کر کرے گا۔ کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے۔ اس لئے ان دعاؤں کو خود بھی یاد کرنا چاہئے اور اپنے بچوں کو بچپن ہی میں یاد کرا دینا چاہئے۔

الٹا لیٹنا پسندیدہ نہیں

"عن یعیش بن طخفۃ الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال ابی: بینما انا مصطبح فی المسجد علی بطنی اذا رجل یحرکنی برجلہ فقال: ان ھذہ ضجعۃ یبغضھا اللہ، قال:

فنظرت فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(ابو داؤ، کتاب للادب، باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ، حدیث نمبر ۵۰۴۰)

حضرت یعیش بن طحفة غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک دن مسجد میں پیٹ کے بل الٹا لیٹا ہوا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے پاؤں سے مجھے حرکت دے رہا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ لیٹنے کا وہ طریقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ کہنے والے شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے ـــــ گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے سے لیٹنے کو پسند نہیں فرمایا، یہاں تک کہ پاؤں سے حرکت دیکر ان کو اس پر تنبیہ فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت پیٹ کے بل الٹا لیٹنا مکروہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بھی ناپسند ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناپسند ہے۔

وہ مجلس باعث حسرت ہوگی

"وعن ابی هريرة رضی اللہ عنه عن رسول الله صلی اللہ عليه وسلم قال: من قعد مقعدا لم يذكر الله تعالى فيه، كانت عليه من الله ترة، ومن اضطجع مضطجعًا لا يذكر الله فيه كانت عليه من الله ترة"

(ابو داؤد، کتاب للادب، باب کراھیۃ ان یقوم الرجل الخ۔ حدیث نمبر ۴۸۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کو یاد نہ کیا گیا ہو، اللہ کا کوئی ذکر اس مجلس میں نہ آیا ہو۔ نہ اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ تو آخرت میں وہ مجلس اس کے لئے حسرت کا باعث بنے گی۔ یعنی جب آخرت میں پہنچے گا، اس وقت حسرت کرے گا کہ کاش، میں اس مجلس میں نہ بیٹھا ہوتا۔ جس میں اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس لئے فرمایا کہ مسلمان کی کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہونی چاہئے۔

ہماری مجلسوں کا حال

اب ذرا ہم لوگ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، اپنے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہماری کتنی مجلسیں، کتنی محفلیں غفلت کی نظر ہو جاتی ہیں، اور ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ کا نام، یا اللہ کے دین کا کوئی تذکرہ ان میں نہیں ہوتا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ قیامت کے روز ایسی تمام مجلسیں وبال اور حسرت کا ذریعہ ہونگی ـــــــ ہمارے یہاں مجلس آرائی کا سلسلہ چل پڑا ہے، اسی مجلس آرائی ہی کو مقصد بنا کر لوگ بیٹھ جاتے ہیں، اور فضول باتیں کرنے کے لئے باقاعدہ محفل جمائی جاتی ہے، جس کا مقصد گپ شپ کرنا ہوتا ہے، یہ گپ شپ کی مجلس بالکل فضول اور بے کار اور بے مقصد، اور اوقات کو ضائع کرنے والی بات ہے، اور جب مقصد صحیح نہیں ہوتا۔ بلکہ محض وقت گزاری مقصود ہوتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی مجلس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے دین سے غفلت تو ہوگی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مجلس میں کبھی کسی کی غیبت ہوگی، کبھی جھوٹ ہوگا۔ کبھی کسی کی دل آزاری ہوگی۔ کسی کی تحقیر ہوگی۔ کسی کا مذاق اڑایا جائے گا۔ یہ سارے کام اس مجلس میں ہوں گے۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گئے۔ تو اس غفلت کے نتیجے میں وہ مجلس بہت سے گناہوں کا مجموعہ بن جائے گی، اس بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ مجلس قیامت کے روز حسرت کا سبب بنے گی، ہائے ہم نے وہ وقت کیسا ضائع کر دیا، کیونکہ آخرت میں تو ایک ایک لمحے کی قیمت ہوگی، ایک ایک نیکی کی قیمت ہوگی۔ جب انسان کا حساب و کتاب ہو رہا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری ہوگی۔ اس وقت ایک ایک نیکی کا کال ہوگا، اس وقت تمنا کرے گا کہ کاش، ایک نیکی میرے نامہ اعمال میں بڑھ جاتی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ وہ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے، ابھی سے اس بات کا دھیان کر لو کہ یہ مجلسیں حسرت بننے والی ہیں۔

تفریح طبع کی باتیں کرنا جائز ہے

لیکن ایک بات عرض کر دوں کے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بس خشک اور کھردرا ہو کر رہ جائے، اور کسی سے کوئی خوش طبعی اور شگفتگی کی بات نہ کرے، یہ مقصد ہر گز نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پاس بیٹھتے، تو کبھی آپ سے تفریح طبع کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

روحوا القلوب ساعة فساعة

(کنزالعمال، حدیث نمبر ۵۳۵۴)

کبھی کبھی اپنے دلوں کو آرام اور راحت دیا کرو۔ اس لئے کبھی کبھی خوش طبعی اور شگفتگی کی باتیں کرنے میں کچھ حرج نہیں، یہاں تک کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضور کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو زمانہ جاہلیت کے واقعات بھی کبھی کبھی بیان کرتے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ایسی ایسی حرکتیں کیا کرتے تھے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہتے، اور بعض اوقات تبسم بھی فرماتے ـــــ لیکن ان مجلسوں میں اس بات کا اہتمام تھا کہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو، غیبت اور دل آزاری نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان مجلسوں کے باوجود دل کی لو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ ذکر اللہ سے وہ مجلس خالی نہیں تھی، مثلاً اس مجلس میں زمانہ جاہلیت کا ذکر کیا، اور پھر اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس ضلالت اور گمراہی اور تاریکی سے نکال دیا، لہٰذا یہ طریقہ تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرام کا ــ اس کا مصداق تھے کہ:

دست بکار. دل بیار

کہ ہاتھ اپنے کام میں مشغول ہے، زبان سے دوسری باتیں نکل رہی ہیں، اور دل کی لو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔

حضور کی شان جامعیت

یہ بات کہنے کو تو آسان ہے، لیکن مشق سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ حضرت

مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا سنا کہ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ذات بالا صفات جس کا ہر آن اللہ جل شانہ سے رابطہ قائم ہے۔ وحی آرہی ہے۔ ملائکہ نازل ہورہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہو رہا ہے، ایسے جلیل القدر مقامات پر جو ہستی فائز ہیں۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ دل لگی کیسے کر لیتے ہیں؟ وہ اپنے اہل و عیال سے دنیا کی باتیں کیسے کر لیتے ہیں؟ جبکہ ہر وقت حضوری کا یہ عالم ہے۔ مگر رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنارہے ہیں کہ گیارہ عورتیں تھیں۔ ان عورتوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ہر عورت اپنے شوہر کی کیفیت بیان کرے کہ اس کا شوہر کیسا ہے؟ اب ہر عورت نے اپنے شوہر کا پورا حال بیان کیا کہ میرا شوہر ایسا ہے، میرا شوہر ایسا ہے ــــــ اب یہ سارا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا رہے ہیں۔

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السمر)

بہرحال، حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ جس ذات گرامی کا اللہ تعالیٰ سے اس درجہ تعلق قائم ہو۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ ہنسی اور دل لگی کی باتیں کیسے کر لیتے ہیں؟ لیکن بعد میں فرمایا کہ الحمد للہ، اب سمجھ میں آگیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں، کہ دل لگی بھی ہو رہی ہے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہے۔ اس لئے کہ وہ دل لگی اور ہنسی مذاق بھی در حقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ہو رہی ہے۔ اور دل میں یہ خیال ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق واجب کیا ہے کہ ان کا دل خوش کروں۔ اس حق کی وجہ سے یہ دلگی ہو رہی ہے۔ تو اللہ تبارک کے ساتھ رابطہ بھی قائم ہے، اور اس دل لگی کی وجہ سے وہ رابطہ نہ ٹوٹتا ہے، اور نہ کمزور ہوتا ہے۔ اس میں کوئی نقص نہیں آتا، بلکہ اس تعلق میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

اظہار محبت پر اجر و ثواب

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت، اگر میاں بیوی

آپس میں باتیں کرتے ہیں، اور ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، تو اس وقت ان کے ذہنوں میں اس بات کا تصور بھی نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس واسطے کر رہا ہوں۔ تو کیا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں، اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں، اور جب ایک مرتبہ دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ میں ان تمام تعلقات کا حق اللہ کے لئے ادا کر رہا ہوں۔ اللہ کے حکم کے مطابق ادا کر رہا ہوں تو اب اگر ہر ہر مرتبہ میں اس بات کا استحضار بھی نہ ہو تو جب ایک مرتبہ جو نیت کر لی گئی ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی کافی ہے۔

ہر کام اللہ کی رضا کی خاطر کرو

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم صبح کو بیدار ہو جاؤ، تو نماز کے بعد تلاوت قرآن اور ذکر واذکار اور معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لو کہ:

"إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

(سورۃ الانعام: ۱۶۲)

اے اللہ، آج دن بھر میں جو کچھ کام کروں گا، وہ آپ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ کماؤں گا تو آپ کی رضا کی خاطر۔ گھر میں جاؤں گا تو آپ کی خاطر، بچوں سے بات کروں گا تو آپ کی رضا کی خاطر، یہ سب کام میں اس لئے کروں گا کہ ان کے حقوق آپ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں، اور جب ایک مرتبہ یہ نیت کر لی تو اب یہ دنیا کے کام نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب دین کے کام ہیں، اور اللہ کی رضا کے کام ہیں۔ ان کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم نہیں ہوتا، بلکہ وہ تعلق اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

حضرت مجذوب اور اللہ کی یاد

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کے جو تربیت یافتہ حضرات تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی یہی صفت عطا فرمائی تھی، چنانچہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب

رحمتہ اللہ علیہ، جو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں تھے، ایک مرتبہ وہ اور ہم لوگ امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسے میں جمع ہو گئے۔ اس وقت آم کا موسم تھا، رات کو کھانے کے بعد سب لوگ مل کر آم کھاتے رہے، اور آپس میں بے تکلفی کی باتیں بھی ہوتی رہیں، حضرت مجذوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ چونکہ شاعر بھی تھے، اس لئے انہوں نے بہت سے اشعار سنائے، تقریباً ایک گھنٹہ اس طرح گزر گیا کہ شعر و شاعری اور ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد حضرت مجذوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ہم سے اچانک یہ سوال کیا کہ دیکھو، ہم سب ایک گھنٹے سے یہ باتیں وغیرہ کر رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم میں سے کس کس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے غفلت ہوئی؟ ہم نے کہا کہ ہم سب ایک گھنٹے سے انہی باتوں میں خوش گپیوں میں منہمک ہیں۔ اس لئے سب ہی اللہ کے ذکر سے غفلت میں ہیں، اس پر حضرت خواجہ صاحب ؒ نے فرمایا کہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ مجھے اس پورے عرصے میں اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے غفلت نہیں ہوئی ــــ دیکھئے، ہنسی مذاق بھی ہو رہا ہے۔ دل لگی کی باتیں بھی ہو رہی ہیں۔ شعر بھی سنائے جا رہے ہیں، اور شعر بھی سادہ انداز میں نہیں۔ بلکہ ترنم کے ساتھ شعر سنائے جا رہے ہیں، بعض اوقات شعر و شاعری میں گھنٹوں گزار دیتے تھے، لیکن وہ فرما رہے ہیں کہ الحمد للہ مجھے اللہ کی یاد سے غفلت نہیں ہوئی، اس پورے عرصے میں دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہا ــــ

یہ کیفیت مشق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کیفیت کا کوئی حصہ ہم لوگوں کو عطا فرما دے، اس وقت معلوم ہو گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

دل کی سوئی اللہ کی طرف

میں نے اپنے والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مکتوب دیکھا جو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ نے اس مکتوب میں لکھا تھا کہ "حضرت، میں اپنے دل کی یہ کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہتی ہے۔ اسی طرح اب میرے دل کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ چاہے کہیں پر بھی

کام کر رہا ہوں۔ چاہے مدرسہ میں رہوں، یا گھر میں ہوں۔ یا دوکان پر ہوں، یا بازار میں ہوں۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل کی سوئی تھانہ بھون کی طرف ہے"۔

اب ہم لوگ اس کیفیت کو اس وقت تک کیا سمجھ سکتے ہیں جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل سے ہم لوگوں کو عطا نہ فرما دے۔ لیکن کوشش اور مشق سے یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہوتا رہے۔ تو پھر آہستہ آہستہ یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ زبان سے دل لگی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مگر دل کی سوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے ـــ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرما دے۔ آمین۔

دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے

یہ ساری دعائیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تلقین فرما رہے ہیں، ان سب کا منتہاء مقصود یہ ہے کہ جس کسی کام میں تم لگے ہوئے ہو، جس حالت میں بھی تم ہو، مگر تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو ـــــ یہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بنایا ہے۔ دوسرے جتنے اعضاء ہیں، آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ یہ سب دنیوی کاموں کے لئے ہے کہ ان کے ذریعہ دنیاوی مقاصد حاصل کرتے چلے جاؤ، لیکن یہ دل اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالصۃً اپنے لئے بنایا ہے، تاکہ اس کے اندر اللہ کی تجلی ہو، اس کی محبت سے یہ معمور ہو، اس کے ذکر سے یہ آباد ہو، اس بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان الفاظ کے ذریعہ ارشاد فرمایا کہ "افضل عمل یہ ہے کہ انسان کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔" اسی زبان کو اللہ تعالیٰ نے دل میں اترنے کا زینہ بنایا ہے، اس لئے جب زبان سے ذکر کرتے رہو گے تو انشاء اللہ اس ذکر کو دل کے اندر اتار دیں گے، اور طریقت، تصوف و سلوک کا اصل مقصد بھی یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد، اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح سما جائے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن جائے،

مجلس کی دعا اور کفارہ

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص

ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، تو وہ مجلس قیامت کے دن باعث حسرت بنے گی، اور اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جایئے کہ وہ ہم جیسے غافلوں کے لئے کمزوروں کے لئے اور تن آسانوں کے لئے آسان آسان نسخے بتا گئے، چنانچہ آپ نے ہمیں یہ نسخہ بتا دیا کہ جب کسی مجلس سے اٹھنے لگو یہ کلمات کہہ لو:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مجلس اب تک اللہ کے ذکر سے خالی تھی، تو اب اللہ کے ذکر سے آباد ہو گئی۔ اب اس مجلس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوا، بلکہ ذکر ہو گیا، اگرچہ آخر میں ہوا، اور دوسرے یہ کہ مجلس میں جو کمی کوتاہی ہوئی اس کے لئے یہ کلمات کفارہ ہو جائیں گے انشاء اللہ ــــــ اور دوسرا کلمہ یہ پڑھے:

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ"

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی کفارۃ المجلس، حدیث نمبر ۴۸۵۹)

بہرحال، یہ دونوں کلمات اگر مجلس سے اٹھنے سے پہلے پڑھ لو گے تو انشاء اللہ پھر قیامت کے دن وہ مجلس باعث حسرت نہیں بنے گی، اور اس مجلس میں جو کمی کوتاہی یا صغیرہ گناہ ہوئے ہیں۔ وہ انشاء اللہ معاف ہو جائیں گے، البتہ جو کبیرہ گناہ کئے ہیں تو وہ اس کے ذریعے معاف نہیں ہوں گے۔ جب تک آدمی توبہ نہ کر لے، اس لئے ان مجالس میں اس کا خاص اہتمام کریں کہ ان میں جھوٹ نہ ہو، غیبت نہ ہو۔ دل آزاری نہ ہو، اور جتنے کبیرہ گناہ ہیں۔ ان سے اجتناب ہو، کم از کم اس کا اہتمام کر لیں۔

سونے کو عبادت بنا لو

اس حدیث میں اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

"ومن اضطجع مضطجعًا لا یذکر اللہ تعالٰی فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ"

یعنی جو شخص کسی ایسے بستر پر لیٹے کہ اس لیٹنے کے سارے عرصے میں ایک مرتبہ بھی اللہ کا

نام نہ لے تو وہ لیٹنا بھی قیامت کے روز اس کے لئے حسرت کا ذریعہ بنے گا کہ اس دن میں لیٹا تھا۔ لیکن میں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ نہ سوتے وقت دعا پڑھی اور نہ بیداری کے وقت دعا پڑھی، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے سے پہلے بھی ذکر کر لو، اور آخر میں بھی ذکر کر لو، اور در حقیقت مومن کی پہچان یہی ہے کہ وہ ذکر کر کے سوئے اس لئے کہ ایک کافر بھی سوتا ہے، اور ایک مومن بھی سوتا ہے، لیکن کافر غفلت میں سوتا ہے، اللہ کو یاد کئے بغیر سوتا ہے، اور مومن اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کے ساتھ سوتا ہے، اس لئے سارا سونا اس کے لئے عبادت بن جاتا ہے۔

اگر تم اشرف المخلوقات ہو

یہی وہ طریقے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا گئے، اور ہمیں جانوروں سے ممتاز کر دیا۔ کافروں سے ممتاز کر دیا۔ آخر گدھے گھوڑے بھی سوتے ہیں، کونسا جانور ایسا ہے جو نہیں سوتا ہوگا، لیکن اگر تم اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتے ہو تو پھر سوتے وقت اور بیدار ہوتے وقت اپنے خالق کو یاد کرنا نہ بھولو۔ اسی لئے دعائیں ہمیں تلقین فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دعاؤں کا پابند بنا دے، اور اسکے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرما دے۔ آمین۔

ایسی مجلس مردار گدھا ہے

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما من قوم یقومون من مجلس لا یذکرون اللہ تعالیٰ فیہ الا قاموا عن مثل جیفۃ حمار، وکان لھم حسرۃ"

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب کراھیۃ ان یقوم الرجل من مجلس، حدیث نمبر ۴۸۵۵)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قوم کسی ایسی مجلس سے اٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ تو یہ

مجلس ایسی ہے جیسے کسی مردہ گدھے کے پاس سے اٹھ گئے، گویا کہ وہ مجلس مردار گدھا ہے، جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے، اور قیامت کے روز وہ مجلس ان کے لئے حسرت کا سبب بنے گی۔

نیند اللہ کی عطا ہے

یہ سونے اور اس کے آداب، لیٹنے اور اس کے آداب اور اس کے متعلقات کا بیان چل رہا ہے، اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صحیح طریقہ نہ بتایا ہو، اور جس کے بارے میں یہ نہ بتایا ہو کہ اس وقت تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ نیند بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تب پتہ لگے کہ اس کا نہ ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمادی ہے، اور اس طرح عطا فرمائی ہے کہ ہماری کسی محنت کے بغیر نظام ہی ایسا بنا دیا کہ وقت پر نیند آجاتی ہے، انسان کے جسم میں کوئی ایسا سوئچ نہیں ہے کہ اگر اس کو دبا دو گے تو نیند آجائے گی، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

رات اللہ کی عظیم نعمت ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نیند کا نظام ایسا بنا دیا کہ سب کو ایک ہی وقت میں نیند کی خواہش ہوتی ہے۔ ورنہ اگر یہ ہوتا کہ ہر شخص نیند کے معاملے میں آزاد ہے کہ جس وقت وہ چاہے سو جائے۔ تو اب یہ ہوتا کہ ایک آدمی کا صبح آٹھ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے۔ ایک آدمی کا بارہ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے، ایک آدمی کا چار بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک آدمی سونا چاہ رہا ہے، اور دوسرا آدمی اپنے کام میں لگا ہوا ہے، اور اس کے سر پر کھٹ کھٹ کر رہا ہے، تو اب صحیح طور پر نیند نہیں آئے گی، بے آرامی رہے گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام ایسا بنا دیا کہ ہر انسان کو، جانوروں کو پرندوں، چرندوں کو درندوں کو ایک ہی وقت میں نیند آتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے کہ کیا ایک وقت میں سونے کے نظام کے لئے کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی؟ اور ساری دنیا کے نمائندوں کو بلا کر مشورہ کیا گیا تھا کہ کون سے وقت سویا کریں۔ اگر انسان کے اوپر اس معاملے کو چھوڑا جاتا تو انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ پوری دنیا کا نظام اس طرح کا بنا دیتا کہ ہر آدمی اس وقت سو رہا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ احساس ڈال دیا کہ یہ رات کا وقت سونے کا ہے، اور نیند کو ان پر مسلط کر دیا۔ سب اس ایک وقت میں سو رہے ہیں، اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

وجعل الليل سكنا

(سورۃ الانعام: ۹۶)

کہ رات کو سکون کا وقت بنایا، دن کو معیشت کے لئے اور زندگی کے کاروبار کے لئے بنایا، اس لئے یہ نیند اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ اس کی عطا سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کو ذرا سا یاد کر لو کہ یہ عطا کس کی طرف سے ہے، اور اس کا شکر ادا کر لو، اور اس کے سامنے حاضری کا احساس کر لو۔ یہ ان ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تعلق مع اللہ

کا

آسان طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۱۷ ستمبر ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

جب اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے تو پھر انسان سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوتی، پھر انسان عبادت بھی اپنی بساط کے مطابق بہتر سے بہتر انجام دیتا ہے، پھر اس کو اخلاق فاضلہ ہو جاتے ہیں۔ اور اخلاق رزیلہ سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں تعلق مع اللہ سے، حاصل ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلق مع اللہ کا آسان طریقہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ واشھد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا وشفیعنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرًا۔ امابعد!

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استجد ثوباً سماہ باسمہ، عمامۃ اوقمیصاً اورداءً یقول اللّٰھم لک الحمد انت کسوتنیہ، اسألک خیرہ وخیر ماصنع لہ، واعوذ من شرہ وشر ماصنع لہ"

(ترمذی کتاب اللباس، باب مایقول اذا لبس ثوباً جدیداً، حدیث نمبر ۱۷۶۷)

نیا کپڑا پہننے کی دعا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب آپ کوئی نیا کپڑا پہنتے، تو اس کپڑے کا نام لیتے، چاہے وہ عمامہ یا قمیص ہو یا چادر ہو، اور اس کا نام لے کر یہ دعا کرتے کہ اے اللہ، آپ کا شکر

ہے کہ آپ نے مجھے یہ لباس عطا فرمایا، میں آپ سے اس لباس کے خیر کا سوال کرتا ہوں، اور جن کاموں کے لئے یہ بنایا گیا ہے، ان میں سے بہتر کاموں کا سوال کرتا ہوں، اور میں آپ سے اس لباس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں، اور جن برے کاموں کے لئے یہ بنایا گیا ہے، اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں ـــ

ہر وقت کی دعا الگ ہے

لباس پہنتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اگر کسی کو یہ الفاظ یاد نہ ہوں تو پھر اردو ہی میں لباس پہنتے وقت یہ الفاظ کہہ لیا کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امت پر یہ عظیم احسان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر اللہ جل شانہ سے دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا، ہم تو وہ لوگ ہیں جو محتاج تو بے انتہا ہیں۔ لیکن ہمیں مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا، ہمیں نہ تو یہ معلوم ہے کہ کیا مانگا جائے۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس طرح مانگا جائے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طریقہ بھی سکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو ـــ صبح سے لے کر شام تک بے شمار اعمال انسان انجام دیتا ہے۔ تقریباً ہر عمل کے لئے علیحدہ دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے، مثلاً فرمایا کہ صبح کو جب بیدار ہو تو یہ دعا پڑھو، جب استنجاء کے لئے جانے لگو تو یہ دعا پڑھو، استنجاء سے فارغ ہو کر باہر آؤ تو یہ دعا پڑھو، جب وضو شروع کرو تو یہ دعا پڑھو، وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتے رہو، وضو سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھو، جب نماز کے لئے مسجد میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھو، اور پھر مسجد میں عبادت کرتے رہو، پھر جب مسجد سے باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب اپنے گھر میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھو، جب بازار میں پہنچو تو یہ دعا پڑھو، گویا کہ ہر ہر نقل و حرکت پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں تلقین فرما دیں کہ یہ دعائیں اس طرح پڑھا کرو۔

تعلق مع اللہ کا طریقہ

یہ ہر ہر نقل و حرکت پر علیحدہ علیحدہ دعا کیوں تلقین فرمائی؟ یہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کے لئے نسخہ اکسیر بتا دیا، اللہ

تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا آسان ترین اور مختصر ترین راستہ یہ ہے کہ ہر وقت انسان اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے اور دعا کرتا رہے ــ قرآن کریم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا

(سورۃ الاحزاب ۴۱)

اے ایمان والو، اللہ کو کثرت سے یاد کرو، کثرت سے اس کا ذکر کرو ــ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ، سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ

ان یکون لسانك رطبا بذکر الله

(ترمذی کتاب الدعوات، باب فضل الذکر، حدیث نمبر ۳۳۷۲)

یعنی تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہے، ہر وقت زبان پر ذکر جاری رہے۔ خلاصہ یہ کہ کثرت سے ذکر کرنے کا حکم قرآن کریم نے بھی دیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

اللہ ذکر سے بے نیاز ہے

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کثرت ذکر کا کیوں حکم دیا؟ ــ العیاذ باللہ ــ کیا اللہ تعالیٰ کو ہمارے ذکر سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو اس بات سے مزہ آتا ہے کہ میرے بندے میرا ذکر کر رہے ہیں؟ کیا اس کو اس سے لذت آتی ہے؟ یا اس کو کوئی نفع ملتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہو، اور اس پر ایمان رکھتا ہو، وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر ساری کائنات ہر وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی رہے تو اس کی کبریائی میں، اس کے جلال و جمال میں، اس کی عظمت میں ایک ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر ــ العیاذ باللہ ــ ساری کائنات مل کر اس بات کا عہد کر لے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ کو بھلا دیں، ذکر سے غافل ہو جائیں۔ اور معصیتوں کا ارتکاب کرنے لگیں نافرمانیوں میں مبتلا ہو جائیں تو اس کی عظمت و جلال میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوگی، وہ ذات تو بے نیاز ہے "اللہ الصمد" وہ ہمارے ذکر سے بھی بے نیاز، ہمارے سجدوں سے بھی بے نیاز، ہماری تسبیح سے بھی بے

نیاز، اس کو ہمارے ذکر کی ضرورت نہیں۔

برائیوں کی جڑ اللہ سے غفلت

لیکن یہ جو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، اس سے ہمارا ہی فائدہ ہے، اس لئے کہ دنیا میں جتنے جرائم، بدعنوانیاں اور بداخلاقیاں برائیاں ہوتی ہیں، اگر ان سب برائیوں کی جڑ دیکھی جائے تو وہ اللہ سے غفلت ہے، جب انسان اللہ کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے، تب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ہو، اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں ہو کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو پھر گناہ سرزد نہیں ہوگا،

چور جس وقت چوری کررہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو چوری کا ارتکاب نہیں کرتا، بدکار جس وقت بدکاری کررہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو وہ بدکاری کا ارتکاب نہ کرتا، اسی بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لایزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن، لایسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن، لایشرب الشارب حین یشرب وھو مؤمن

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان، حدیث نمبر ۱۰۰)

یعنی جب زنا کرنے والا زنا کرتا ہے، اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، مؤمن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایمان اس وقت مستحضر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر مستحضر نہیں ہوتا، جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں نہیں ہوتی، اگر یاد دل میں ہوتی تو یہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔ لہذا

ساری برائیاں، سارے مظالم، ساری بداخلاقیاں جو دنیا کے اندر پائی جارہی ہیں، ان کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہے۔

اللہ کہاں گیا؟

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر کسی ملاقے میں گئے، ایک بکریوں کا چرواہا ان کے پاس سے گزرا، جو روزے سے تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی دیانت کو آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ اگر تم بکریوں کے اس گلے میں سے ایک بکری ہمیں بیچ دو تو اس کی قیمت بھی تمہیں دیدیں گے، اور بکری کے گوشت میں سے اتنا گوشت بھی دیدیں گے جس پر تم افطار کرسکو، اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے آقا کی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس کی ایک بکری گم ہو جائے گی تو وہ کیا کرے گا؟ یہ سنتے ہی چرواہے نے پیٹھ پھیری اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: فَاَیْنَ اللّٰہ ؟ یعنی اللہ کہاں گیا؟ اور یہ کہہ کر روانہ ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چرواہے کے اس جملے کو دہراتے رہے، مدینہ منورہ پہنچے تو اس چرواہے کے آقا سے مل کر اس سے بکریاں بھی خرید لیں اور چرواہے کو بھی خرید لیا، پھر چرواہے کو آزاد کر دیا، اور ساری بکریاں اس کو تحفے میں دیدیں۔

ذکر سے غفلت، جرائم کی کثرت

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ کی یاد، جو دل میں اس طرح جم گیا کہ کسی بھی وقت دل

سے نہیں نکلتا، نہ جنگل کی تنہائی میں، نہ رات کی تاریکی میں۔ اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس وہ چیز ہے جو تنہائی میں بھی انسان کے دل پر پہرے بٹھا دیتا ہے، اور اگر یہ احساس باقی نہ رہے تو اس کا انجام آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج پولیس کی تعداد بڑھ رہی ہے، محکموں میں اضافہ ہو رہا ہے، عدالتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ فوج لگی ہوئی ہے، گلی کوچوں میں پہرے لگے ہوئے ہیں۔ مگر پھر بھی ڈاکے پڑ رہے ہیں، لوگوں کے جان و مال اور آبرو پر کس طرح حملے ہو رہے ہیں، جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے، یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ جرائم کی جڑ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک اللہ جل شانہ کی یاد، اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں نہ سما جائے، جب تک اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس دل میں پیدا نہ ہو، لہٰذا جب تک دل میں یہ شمع فروزاں نہیں ہوتی، اس وقت تک ہزار پہرے بٹھالو، ہزار فوجی بالو، مگر جرائم بند نہیں ہوں گے، ذرا سی کسی کی آنکھ جھپکے گی، اور جرم ہو جائے گا، بلکہ جو آنکھ حفاظت کے لئے مقرر تھی، آج وہ آنکھ جرم کرا رہی ہے، جس کو لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے بٹھایا گیا تھا، وہی لوگ جان و مال پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ لہٰذا جب تک اللہ کا ذکر، اس کی یاد دل میں نہ ہو، جواب دہی کا احساس دل میں نہ ہو، اس وقت تک جرائم کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔

جرائم کا خاتمہ حضور نے فرمایا

جرائم کا خاتمہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ نہ پولیس ہے، نہ محکمہ ہے، نہ عدالت ہے، نہ فوج ہے، بلکہ جس کسی سے جرم صادر ہو گیا تو وہ روتا ہوا آ رہا ہے کہ یا رسول اللہ مجھ پر سزا جاری کر دیجئے تاکہ میں آخرت کے عذاب سے بچ جاؤں، اور ایسی سزا جاری کریں کہ پتھر مار مار کر مجھے ہلاک کر دیجئے، اور مجھے رجم کر دیجئے۔ بس بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا خوف دل میں سما گیا تھا، اسی لئے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

کثرت سے ذکر کرو، ورنہ ہمارے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن جتنا ذکر کرو گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں پیدا ہو گا، اور پھر جرم گناہ، معصیت اور نافرمانی سے انشاء اللہ بچاؤ ہو گا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

زبانی ذکر بھی مفید و مطلوب ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر صرف زبان سے "اللہ اللہ" کر رہے ہیں۔ یا "سبحان اللہ" کہہ رہے ہیں۔ یا زبان سے "الحمد للہ" کہہ رہے ہیں اور دل کہیں ہے دماغ کہیں ہے تو اس سے کیا حاصل؟ یاد رکھو یہ زبان سے ذکر کرنا پہلی سیڑھی ہے، اگر یہ سیڑھی قطع نہ کی تو دوسری سیڑھی پر کبھی نہیں پہنچ سکتے، زندگی بھر نہیں پہنچ سکتے، اور اگر یہ سیڑھی قطع کر لی، اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا شروع کر دیا تو کم از کم ایک سیڑھی تو طے ہو گئی پھر اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دوسری سیڑھی بھی قطع کرا دیں گے۔ اس لئے اس ذکر کو بے کار مت سمجھو، یہ ذکر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اگر ہمارا سارا جسم نہ سہی تو کم از کم ایک عضو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہے۔ اگر اس میں لگے رہے تو انشاء اللہ آگے جا کر یہی ترقی کر جائے گا۔

تعلق مع اللہ کی حقیقت

بہر حال، اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد کے دل میں سما جانے کا نام ہی "تعلق مع اللہ" ہے۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ رابطہ اور تعلق قائم ہے، صوفیائے کرام کے سلسلوں میں جتنی ریاضتیں مجاہدات، وظیفے اور اشغال ہیں۔ ان سب کا حاصل اور خلاصہ اور مقصود صرف ایک ہی چیز ہے، وہ ہے "تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنا" اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر انسان سے گناہ بھی نہیں ہوتے، پھر انسان اللہ کی عبادت بھی اپنی بساط کے مطابق بہتر سے بہتر انجام دیتا ہے، پھر اخلاق فاضلہ اس کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور اخلاق رذیلہ سے نجات مل جاتی ہے یہ سب چیزیں تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتی ہیں۔

ہر وقت مانگتے رہو

اس تعلق مع اللہ کو حاصل کرنے کے لئے صوفیاء کرام کے یہاں بڑے لمبے چوڑے مجاہدات اور ریاضتیں کرائی گئی ہیں۔ لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس تعلق مع اللہ کو حاصل کرنے کے لئے میں تمہیں ایک مختصر اور آسان راستہ بتاتا ہوں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اور ہر لمحے مانگنے اور مانگتے رہنے کی عادت ڈالو، ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو، جو دکھ اور تکلیف پہنچے، پریشانی ہو، جو ضرورت اور حاجت ہو، بس اللہ تعالیٰ سے مانگو، مثلاً اگر گرمی لگ رہی ہے، کہو، اے اللہ، گرمی دور فرما دیجئے، بجلی چلی گئی، یا اللہ بجلی عطا فرما دیجئے، بھوک لگ رہی ہے، کہو، یا اللہ، اچھا کھانا دے دیجئے، گھر میں داخل ہو رہے ہیں، کہو یا اللہ، گھر میں اچھا منظر سامنے آئے۔ عافیت کی خبر ملے، کوئی پریشانی کی بات نہ ہو— دفتر میں داخل ہونے سے پہلے کہو — یا اللہ، دفتر جا رہا ہوں، حالات ٹھیک رہیں۔ طبیعت کے موافق رہیں۔ کوئی ناخوش گوار بات پیش نہ آئے، کوئی تکلیف کی بات پیش نہ آئے، بازار جا رہے ہو، کہو، یا اللہ، فلاں چیز خریدنے جا رہا ہوں، مناسب قیمت پر مناسب چیز دلا دیجئے— ہر وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو۔

یہ چھوٹا سا چٹکلہ ہے

واقعہ یہ ہے کہ کہنے کو یہ معمولی بات ہے اس لئے کہ یہ کام اتنا آسان ہے جس کی کوئی حد نہیں، اسی وجہ سے اس کی قدر نہیں ہوتی، لیکن اس نسخے پر عمل کر کے دیکھو، اللہ تعالیٰ سے مانگ کے دیکھو، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے رٹ لگاؤ، جو مسئلہ سامنے آئے، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، یا اللہ یہ کام کر دیجئے، اگر اس کی عادت ڈال لو تو پھر کوئی لمحہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے سے خالی نہیں جائے گا، مثلاً ایک آدمی سامنے سے آپ سے ملاقات کے لئے آ رہا ہے، آپ ایک لمحے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں، کہ یا اللہ یہ شخص اچھی خبر لے کر آیا ہو، کوئی بری خبر لے کر نہ آیا ہو، یا اللہ، یہ شخص جو بات کہنا چاہ رہا ہے، اس کا اچھا نتیجہ نکال دیجئے— ڈاکٹر کے پاس دوا کے لئے جا رہے ہیں، کہو، یا اللہ اس ڈاکٹر کے دل میں صحیح تجویز ڈال دیجئے، صحیح دوا اس کے دل میں

ڈال دیجئے، گویا کہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو ـــ یہ چھوٹا سا چٹکلہ اور چھوٹا سا نسخہ ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس چٹکلے پر عمل کر کے دیکھو، کیا سے کیا ہو جاتا ہے، انسان اس کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

ذکر کے لئے کوئی قید و شرط نہیں

اور یہ جو مسنون دعائیں ہیں، حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذریعہ اس نسخے کی طرف لارہے ہیں، کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اور دعا کرو، اور اللہ تعالیٰ نے اس مانگنے کو اور فریاد کو اتنا آسان فرما دیا ہے کہ اس پر کوئی قید اور شرط نہیں لگائی، بلکہ کسی بھی حالت میں ہو، اللہ تعالیٰ سے مانگو، نہ وضو کی شرط، نہ قبلہ رو ہونے کی شرط، حتیٰ کہ جنابت کی حالت میں بھی دعا مانگنا ممنوع نہیں ہے، اگرچہ اس حالت میں قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں، لیکن دعا کر سکتے ہو، حتیٰ کہ جس وقت انسان قضاء حاجت میں مصروف ہے، اس وقت زبان سے کوئی دعا نہیں کرنی چاہئے، زبان سے ذکر نہیں کرنا چاہئے، اس وقت بھی دل دل میں ذکر کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ـــ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس ذکر کو اتنا آسان کر دیا کہ کوئی قید و شرط نہیں، اور کوئی خاص طریقہ نہیں، اگر موقع ہو تو باوضو ہو کر قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر مانگو لیکن اگر ایسا موقع نہ ملے تو نہ وضو کی شرط، نہ ہاتھ اٹھانے کی شرط، نہ زبان سے بولنے کی شرط، بلکہ دل دل میں اللہ تعالیٰ سے مانگ لو، یا اللہ یہ کام کر دیجئے۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص سوال کرنے کے لئے آتا ہے، اور آکر یہ کہتا ہے کہ حضرت ایک بات پوچھنی ہے، تو اس وقت فوراً دل دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ، یہ شخص معلوم نہیں کیسا سوال کرے گا۔ اے اللہ اس سوال کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے، اور کبھی اس عمل سے تخلف نہیں ہوتا، ہمیشہ یہ عمل کرتا ہوں۔

مسنون دعاؤں کی اہمیت

اب ہر ہر موقع پر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا نکتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سکھایا کہ مانگنے کی خاص خاص جگہیں بتادیں کہ اس جگہ تو مانگ ہی لو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان عظیم پر قربان جایئے کہ انہوں نے دعا مانگنا بھی سکھا دیا۔ ارے تم خود کیا مانگو گے؟ کس طرح مانگو گے؟ کن الفاظ سے مانگو گے؟ تمہیں تو مانگنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔ یہ مانگنے کا ڈھنگ بھی میں ہی تم کو بتا دیتا ہوں کہ یا مانگو، اور اس طرح مانگو، ان الفاظ سے مانگو، یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھا گئے، اب ہمارا آپ کا کام یہ ہے کہ ان دعاؤں کو یاد کریں، اور جب وہ موقع آئے تو توجہ کے ساتھ وہ دعا مانگ لیا کریں، بس اتنا سا کام ہے۔ سب کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے۔ پکی پکائی روٹی تیار کر کے پوری امت کے لئے چھوڑ گئے۔ اب امت کا کام ہے کہ اس روٹی کو اٹھا کر اپنے حلق میں ڈال لے، بس اتنا کام بھی ہم سے نہیں ہوتا، اور علماء نے ادعیہ ماثورہ اور مسنون دعاؤں کے نام سے بے شمار کتابیں لکھ دیں، اور اس میں وہ دعائیں جمع کر لیں، تاکہ ہر مسلمان اس کو آسانی کے ساتھ یاد کر لے ــــ پہلے مسلمان گھرانوں میں یہ رواج تھا کہ جب بچے نے بولنا شروع کیا تو سب سے پہلے اس کو دعائیں سکھائی جاتیں۔ کہ بیٹا بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤ، کھانے کے بعد یہ دعا پڑھو، بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھو، کپڑے پہنو تو یہ دعا پڑھو، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کام کے لئے باقاعدہ کلاس لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور پھر بچپن کا حافظہ بھی ایسا ہوتا ہے جیسے پتھر پر لکیر، ساری عمر یاد رہتا ہے، اب بڑی عمر میں یاد کرنا آسان کام نہیں، لیکن بہرحال، یہ کام کرنے کا ہے، ہر مسلمان اس کو غنیمت سمجھے ــــ اور یہ مسنون دعائیں کوئی لمبی چوڑی نہیں ہوتیں۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں، روزانہ ان مسنون دعاؤں میں سے ایک دعا یاد کر لو، اور پھر اس کو موقع پر پڑھنے کا عزم کر لو کہ جب یہ موقع آئے گا، اس دعا کو ضرور پڑھیں گے پھر دیکھئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے کیسے انوار و برکات عطا فرماتے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر وقت اپنا ذکر کرنے اور اس میں مشغول رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

زبان کی حفاظت کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے۔ اور یہ بولنے کی ایک ایسی دے دی ہے کہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے۔ نہ اس کی سروس کی ضرورت، نہ پٹرول کی ضرورت، نہ اوور ہالنگ کی ضرورت لیکن یہ مشین تمہاری ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے پاس امانت ہے یہ سرکاری مشین ہے، جب یہ امانت ہے توپھر اس کو ان کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا، بک دیا، بلکہ جو بات اللہ کے احکام کے مطابق ہے، وہ نکالو، دوسری باتیں مت نکالو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبان کی حفاظت کیجئے

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا و سندنا و شفیعنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ و اصحابہ و بارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ امابعد!

تین احادیث مبارکہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلیقل خیرًا او لیصمت۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب باب من کان یومن باللہ والیوم آخر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کو چاہئے کہ یا تو وہ اچھی اور نیک بات کہے، یا خاموش رہے۔

دوسری روایت بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان العبد یتکلم بالکلمۃ ما یتبین فیھا، یزل بھا فی النار ابعد ما بین المشرق والمغرب۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک انسان سوچے سمجھے بغیر جب کوئی کلمہ زبان سے کہہ دیتا ہے تو وہ کلمہ اس شخص کو جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرا دیتا ہے، جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ اور بعد ہے۔ ایک تیسری حدیث بھی اس معنی میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال:
ان العبد يتكلم بالكلمة بالكلمة من رضوان الله تعالىٰ لايلقى بها بالاً يرفعه الله بها فى الجنة، وان العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله تعالىٰ لا يلقى بها بالاً يهوى بها فى جهنم۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بعض اوقات ایک انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے، یعنی ایسا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے، لیکن جس وقت وہ کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے، اس وقت اس کو اس کلمہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا، اور لاپرواہی سے وہ کلمہ زبان سے نکال دیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی بدولت جنت میں اس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اور اس کے برعکس بعض اوقات ایک انسان زبان سے ایسا کلمہ نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شخص لاپرواہی میں اس کلمہ کو نکال دیتا ہے، لیکن وہ کلمہ اس کو جہنم میں لے جا کر گرا دیتا ہے۔

زبان کی دیکھ بھال کریں

ان تینوں احادیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آدمی زبان کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے، اور اس زبان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں خرچ کرے، اور اس کے ناراضگی کے کاموں سے اس کو بچائے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ اہتمام کی چیز یہ ہے کہ گناہوں سے بچیں، گناہ

سرزد نہ ہوں۔ ان گناہوں میں یہاں زبان کے گناہوں کا بیان شروع ہوا ہے، چونکہ زبان کے گناہ ایسے ہیں کہ بعض اوقات آدمی سوچے سمجھے بغیر بے پروائی کی حالت میں باتیں کرلیتا ہے، اور وہ باتیں اس کے لئے سخت ترین عذاب کا موجب ہوتی ہیں، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زبان کو دیکھ بھال کر استعمال کرو، اگر کوئی اچھی بات زبان سے کہنی ہے تو کہو، ورنہ خاموش رہو۔

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، یہ کتنا بڑا انعام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیا۔ اور بولنے کی ایسی مشین عطا فرمادی کہ جو پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے، اور چل رہی ہے اور اس طرح چل رہی ہے کہ آدمی نے ادھر ذرا ارادہ کیا۔ ادھر اس نے کام شروع کر دیا اب چونکہ اس مشین کو حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت اور مشقت نہیں کی۔ کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، اس لئے اس نعمت کی قدر معلوم نہیں ہوتی اور جو نعمت بھی بیٹھے بٹھائے بے مانگے مل جاتی ہے، اس کی قدر نہیں ہوتی، اب یہ زبان بھی بیٹھے بٹھائے مل گئی، اور مسلسل کام کر رہی ہے، ہم جو چاہتے ہیں اس زبان سے بول پڑتے ہیں ـــ اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیں جو اس نعمت سے محروم ہیں زبان موجود ہے مگر بولنے کی طاقت نہیں ہے آدمی کوئی بات کہنا چاہتا ہے، مگر کہہ نہیں سکتا، دل میں جذبات پیدا ہو رہے ہیں مگر ان کا اظہار نہیں کر سکتا، اس سے پوچھو وہ بتائے گا کہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے۔

اگر زبان بند ہو جائے

اس بات کا ذرا تصور کرو کہ ـــ خدانہ کرے ـــ اس زبان نے کام کرنا بند کر دیا اور اب تم بولنا چاہتے ہو لیکن نہیں بولا جاتا، اس وقت کیسی بے چارگی اور بے بسی کا عالم ہو گا ـــ میرے ایک عزیز جن کا ابھی حال ہی میں اپریشن ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اپریشن کے بعد کچھ دیر اس حالت میں گزری کہ سارا جسم بے حس تھا، پیاس شدید لگ رہی تھی

سامنے آدمی موجود ہیں، میں اس سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے پانی پلا دو، لیکن زبان نہیں چلتی، آدھا گھنٹہ اسی طرح گزر گیا۔ بعد میں وہ کہتے تھے میری پوری زندگی میں وہ آدھا گھنٹہ جتنا تکلیف دہ تھا، ایسا وقت کبھی میرے اوپر نہیں گزرا تھا۔

زبان اللہ کی امانت ہے

اللہ تعالیٰ نے زبان اور دماغ کے درمیان ایسا کنکشن رکھا ہے کہ جیسے ہی دماغ نے یہ ارادہ کیا کہ فلاں کلمہ زبان سے نکالا جائے، اسی لمحے زبان وہ کلمہ ادا کر دیتی ہے۔ اور اگر انسان کے اوپر چھوڑ دیا جاتا کہ تم خود اس زبان کو استعمال کرو، تو اس کے لئے پہلے یہ علم سیکھنا پڑتا کہ زبان کی کس حرکت سے الف نکالیں۔ زبان کو کہاں لے جا کر "ب" نکالیں تو پھر انسان ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کے اندر یہ بات رکھ دی کہ جو لفظ وہ زبان سے ادا کرنا چاہ رہا ہے تو بس ارادہ کرتے ہی فوراً وہ لفظ زبان سے نکل جاتا ہے لیکن اب ذرا اس کو استعمال کرتے ہوئے یہ تو سوچو کہ کیا تم خود یہ مشین خرید کر لے آئے تھے؟ نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس نے تمہیں عطا کی ہے، یہ تمہاری ملکیت نہیں، بلکہ تمہارے پاس امانت ہے اور جب ان کی دی ہوئی امانت ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ان کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے، یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا، بک دیا۔ بلکہ جو بات اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہے، وہ نکالو، اور جو بات اللہ کے احکام کے مطابق نہیں وہ بات مت نکالو۔ یہ سرکاری مشین ہے، اس کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرو۔

زبان کا صحیح استعمال

اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو ایسا بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس زبان کو صحیح استعمال کر لے، جیسا کہ آپ نے ابھی اوپر ایک حدیث میں پڑھا کہ ایک شخص نے ایک کلمہ بے پرواہی میں زبان سے نکال دیا مگر وہ کلمہ اچھا تھا۔ تو اس کلمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نہ جانے اس کے کتنے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اور اس کو کتنا اجر و ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

جب ایک انسان کافر سے مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسی زبان کی بدولت ہوتا ہے، زبان سے کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس کلمہ شہادت پڑھنے سے پہلے وہ کافر تھا مگر اس کے پڑھنے کے بعد مسلمان ہو گیا، پہلے جہنمی تھا، اب جنتی بن گیا، پہلے اللہ کا مبغوض تھا، اب محبوب بن گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت میں شامل ہو گیا، یہ عظیم انقلاب اس ایک کلمہ کی بدولت آیا جو اس نے زبان سے ادا کیا۔

زبان کو ذکر سے تر رکھو

ایمان لانے کے بعد ایک مرتبہ زبان سے کہہ دیا:

"سبحان اللہ" تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اسکے ذریعہ میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، یہ کلمہ چھوٹا ہے لیکن اس کا ثواب اتنا عظیم ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ: "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" یہ دو کلمے زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ادا ہو گئے، لیکن میزان عمل میں بہت بھاری ہیں، اور رحمان کو بہت محبوب ہیں ـــ بہر حال: یہ مشین اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اگر ذرا سا اس کا رخ بدل دو، اور صحیح طریقے سے اس کو استعمال کرنا شروع کر دو، تو پھر دیکھو یہ تمہارے نامہ اعمال میں کتنا اضافہ کرتی ہے، اور تمہارے لئے جنت میں کس طرح گھر بناتی ہے، اور تمہیں کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضامندی عطا کراتی ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اور اللہ کے ذکر سے اس زبان کو تر رکھو، پھر دیکھو کس طرح تمہارے درجات میں ترقی ہوتی ہے، ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا عمل افضل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ (ترمذی، کتاب الدعوات، باب فضل الذکر، حدیث نمبر ۳۳۷۲)

زبان کے ذریعہ دین سکھائیں

اگر اس زبان کے ذریعہ سے تم نے کسی کو چھوٹی سی دین کی بات سکھا دی، مثلاً

ایک شخص غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا تھا، اور تمہیں معلوم تھا کہ یہ غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے، چنانچہ تم نے چپکے سے تنہائی میں نرمی کے ساتھ محبت اور شفقت سے اس کو سمجھا دیا کہ بھائی! تمہاری نماز میں یہ غلطی تھی۔ اس طرح کر لیا کرو — آپ کی زبان کی ذرا سی حرکت سے اس کی اصلاح ہو گئی۔ اور اس نے نماز ٹھیک پڑھنی شروع کر دی، تو اب ساری عمر جتنی نمازیں وہ ٹھیک طریقے سے پڑھے گا تو ان سب کا اجر و ثواب تمہارے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا —

تسلی کا کلمہ کہنا

ایک شخص تکلیف اور پریشانی میں مبتلا تھا، تم نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے اس سے کوئی تسلی کی بات کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا جس کے نتیجے میں اس کو کچھ ڈھارس بن گئی، اس کو کچھ تسلی حاصل ہو گئی، تو یہ کلمہ کہنا تمہارے لئے عظیم اجر و ثواب کھینچ لایا، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

من عزى ثكلى كسى بردًا في الجنة

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب فی فضل التعزیۃ، حدیث نمبر ۱۰۷۶)

یعنی اگر کوئی شخص ایسی عورت کے لئے تسلی کے کلمات کہے جس کا بیٹا گم ہو گیا ہو، یا مر گیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس تسلی دینے والے کو جنت میں بیش بہا قیمتی جوڑے پہنائیں گے —

غرض یہ کہ اس زبان کو نیک کاموں میں استعمال کرنے کے جو راستے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، ان میں اس کو ٹھیک طریقے سے استعمال کر لو، پھر دیکھو گے کہ تمہارے نامہ اعمال میں کس طرح ثواب کے ڈھیر لگ جائیں گے، مثلاً کوئی شخص جارہا تھا تم نے اس کی رہنمائی کر کے اس کو صحیح راستہ بتا دیا — اب یہ چھوٹا سا کام کر دیا، اور تمہیں خیال بھی نہیں ہوا کہ میں نے یہ کوئی نیکی کا کام کیا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بے شمار اجر و ثواب عطا فرمائیں گے — بہر حال: اگر ایک انسان اس زبان کو صحیح استعمال کرے تو یقین کیجئے اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں، اور اس کے بے شمار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے، لیکن — خدا نہ کرے — اگر اس زبان کا ناجائز اور غلط استعمال ہو، تو پھر

یہی زبان انسان کو جہنم میں کھینچ کر لے جاتی ہے۔

زبان جہنم میں لے جانے والی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جتنے لوگ جہنم میں جائیں گے، ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی، جو اپنی زبان کی کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کر دی، کسی کا دل دکھا دیا، کسی کی دل آزاری کی، دوسروں کے ساتھ غیبت میں حصہ لیا، کسی کو تکلیف پر خوشی کا اظہار کیا وغیرہ جب یہ گناہ کے کام کئے تو اس کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلا گیا، حدیث شریف میں فرمایا کہ:

هل يكب الناس في النار على وجوههم الاحصائد السنتهم

(ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، حدیث نمبر ۲۶۱۶)

یعنی بہت سے لوگ زبان کے کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ لہٰذا یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اگر اس کو ذرا دھیان سے استعمال کرو، اس کو قابو میں رکھو، بے قابو مت چھوڑو، اور اس کو صحیح کاموں میں استعمال کرو، اس لئے فرمایا کہ زبان سے یا تو صحیح بات بولو، ورنہ خاموش رہو، اس لئے کہ خاموشی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی غلط بات زبان سے نکالے۔

پہلے تولو پھر بولو

اسی وجہ سے کثرت کلام سے منع کیا گیا، اس لئے کہ اگر انسان زیادہ بولے گا تو زبان قابو میں نہیں رہے گی، کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضروری کرے گی، اور اس کے نتیجے میں انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا، اس لئے ضرورت کے مطابق بولو، زیادہ نہ بولو، جیسے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے بات کو تولو، پھر بولو، جب تول تول کر بات کرو گے تو پھر یہ زبان قابو میں آجائے گی۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاد

تھے حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب قدس اللہ سرہ بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے۔ اور "حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور تھے، یہ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام کے زمانے کی یادیں تازہ کر دیں، میرے حضرت والد صاحب ان سے بہت خصوصی تعلق رکھتے تھے، اور ان کی خدمت میں بہت کثرت سے جایا کرتے تھے اور حضرت میاں صاحب بھی والد صاحب پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جا کر بیٹھ گیا تو حضرت میاں صاحبؒ کہنے لگے کہ بھائی دیکھو مولوی شفیع صاحب آج ہم عربی میں بات کریں گے، اردو میں بات نہیں کریں گے۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرانی ہوئی، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، آج بیٹھے بٹھائے یہ عربی میں بات کرنے کا خیال کیسے آیا۔ میں نے پوچھا حضرت! کیا وجہ ہے؟ حضرت نے فرمایا: نہیں بس ویسے ہی خیال آگیا کہ عربی میں بات کریں گے۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب ہم دونوں مل کر بیٹھتے ہیں تو بہت باتیں چل پڑتی ہیں، ادھر ادھر کی گفتگو شروع ہو جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں ہم لوگ بعض اوقات فضول باتوں کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ اگر ہم عربی میں بات کرنے کا اہتمام کریں تو عربی نہ تمہیں روانی کے ساتھ بولنی آتی ہے، اور نہ مجھے بولنی آتی ہے، لہٰذا کچھ تکلف کے ساتھ عربی میں بولنا پڑے گا، تو اس کے نتیجے میں یہ زبان جو بے محابا چل رہی ہے، یہ قابو میں آجائے گی، اور پھر بلا ضرورت فضول گفتگو نہ ہو گی، صرف ضرورت کی بات ہو گی۔

ہماری مثال

پھر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر سے بہت ساری اشرفیاں بہت سارے پیسے لے کر سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اور ابھی اس کا سفر جاری تھا۔ ابھی منزل تک نہیں پہنچا تھا کہ اسکی ساری اشرفیاں خرچ ہو گئیں۔ اور اب چند اشرفیاں اس کے پاس باقی رہ گئیں، اور اب وہ ان اشرفیوں کو بہت سنبھال کر اور پھونک پھونک کر خرچ کرتا ہے صرف بہت زیادہ ضرورت کی جگہ پر

خرچ کرتا ہے۔ فضول جگہ پر خرچ نہیں کرتا ہے۔ تاکہ کسی طرح وہ اپنی منزل تک پہنچ جائے ـــ

پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی اکثر عمر گزار دی، اور عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، یہ سب منزل تک پہنچنے کے لئے مال و دولت اور اشرفیاں تھیں، اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے تو منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا۔ اور منزل کا راستہ ہموار ہو جاتا، لیکن ہم نے پتہ نہیں، کن کن چیزوں میں اس کو خرچ کر دیا، بیٹھے ہوئے گپ شپ کر رہے ہیں، مجلس آرائی ہو رہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ساری توانائیاں ان فضول چیزوں میں خرچ ہو گئیں، اب پتہ نہیں کہ زندگی کے کتنے دن باقی ہیں، اب یہ دل چاہتا ہے زندگی کے ان اوقات کو تول تول کر احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر استعمال کرے ـــ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرماتے ہیں۔ ان کا پھر یہی حال ہو جاتا ہے، وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زبان کی یہ دولت عطا فرمائی ہے تو اس کو ٹھیک ٹھیک استعمال کروں، غلط جگہ استعمال نہ کروں۔

زبان کو قابو کرنے کا علاج

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں، وہ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑے بیٹھے تھے، اور اس کو مروڑ رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

ان هذا اوردنی الموارد

(موطا امام مالک کتاب الکلام، باب ماجاء فی مایخاف من اللسان)

یعنی اس زبان نے مجھے بڑی ہلاکتوں میں ڈال دیا ہے، اس لئے میں اس کو قابو کرنا چاہتا ہوں، بعض روایات میں مروی ہے کہ اپنے منہ میں کنکر ڈال کر بیٹھ گئے، تاکہ بلا ضرورت زبان سے بات نہ نکلے ـــ بہر حال، زبان ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان جنت بھی کما سکتا ہے، اور دوزخ بھی کما سکتا ہے، اس کو قابو کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ بے جگہ استعمال نہ ہو، اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان کثرت کلام سے پرہیز کرے، اس لئے کہ انسان جتنا زیادہ کلام کرے گا، اتنا ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو گا،

چنانچہ اپنی اصلاح کے خواہش مند حضرات جب کسی شیخ کے پاس علاج کے لئے جاتے ہیں، تو شیخ ہر ایک کے لئے اس کے مناسب الگ الگ نسخہ تجویز کرتے ہیں، اور وہ بہت سے حضرات کے لئے صرف زبان کو قابو میں کرنے کا علاج تجویز کرتے ہیں۔

زبان پر تالہ ڈال لو

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، لیکن کوئی اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا تھا، بس ویسے ہی ملنے کے لئے آجایا کرتے تھے، اور جب باتیں شروع کرتے تو پھر رکنے کا نام نہ لیتے، ایک قصہ بیان کیا، وہ ختم ہوا تو دوسرا قصہ سنانا شروع کر دیا، حضرت والد صاحب برداشت کرتے رہتے تھے، ایک روز انہوں نے حضرت والد صاحب سے درخواست کی میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، حضرت والد صاحب نے قبول کر لیا، اور اجازت دے دی، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ حضرت مجھے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے بتادیں میں کیا پڑھا کروں؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارا ایک ہی وظیفہ ہے اور وہ یہ کہ اس زبان پر تالہ ڈال لو، اور یہ زبان جو ہر وقت چلتی رہتی ہے، اس کو قابو میں کرو، تمہارے لئے اور کوئی وظیفہ نہیں ہے ــ چنانچہ انہوں نے جب زبان کو قابو میں کیا، تو اسی کے ذریعہ ان کی اصلاح ہو گئی ــ

گپ شپ میں زبان کو لگانا

ہمارے ہاں زبان کے غلط استعمال کی جو وبا چل پڑی ہے، یاد رکھو، یہ بڑی خطرناک بات ہے، دوستوں کو بلا لیا کہ آنا ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں گے اب اس گپ شپ کے اندر جھوٹ بولا جارہا ہے، غیبت اس کے اندر ہو رہی ہے، دوسروں کی برائی اس میں بیان کی جارہی ہے، دوسروں کی نقل اتاری جارہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری ایک مجلس نہ جانے کتنے گناہوں کا مجموعہ ہوتی ہے ــ اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اس زبان کو قابو میں کرنے کی اہمیت دل میں پیدا کریں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے

اس کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

خواتین اور زبان کا استعمال

یوں تو سارا معاشرہ اس زبان کے گناہوں میں مبتلا ہے لیکن احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کے پائے جانے کی نشان دہی فرمائی، ان میں سے ایک بیماری یہ بھی ہے کہ زبان ان کے قابو میں نہیں ہوتی، حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

اے خواتین: میں نے اہل جہنم میں سب سے زیادہ تعداد میں تم کو پایا، یعنی جہنم میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ خواتین نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ:

تکثرن اللعن وتکفرن العشیر

(صحیح بخاری، کتاب الحیض باب ترک الحائض الصوم، حدیث نمبر ۳۰۴)

تم لعن طعن بہت کرتی ہو، اور شوہروں کی ناشکری بہت کرتی ہو، اس وجہ سے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہے۔ دیکھئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو باتیں بیان فرمائیں، ان دونوں کا تعلق زبان سے ہے۔ لعنت کی کثرت اور شوہر کی نا شکری۔ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کی تشخیص فرمائی، اس میں زبان کے بے جا استعمال کو بیان فرمایا، کہ یہ خواتین زبان کو غلط استعمال کرتی ہیں، مثلاً کسی کو طعنہ دے دیا، کسی کو برا کہہ دیا، کسی کی غیبت کر دی، کسی کی چغلی کھالی، یہ سب اس کے اندر داخل ہے۔

میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں

عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من یضمن لی مابین لحییہ ومابین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت اور گارنٹی دے دے تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں، ایک اس چیز کی گارنٹی دے دے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان کہ یہ غلط استعمال نہیں ہوگی اس زبان سے جھوٹ نہیں نکلے گا، غیبت نہیں ہوگی۔ دل آزاری کسی کی نہیں ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ اور ایک اس چیز کی ضمانت دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ کہ اس کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا۔ تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت دین کی حفاظت کا آدھا باب ہے۔ اور آدھا دین زبان کے اندر ہے آدھے گناہ زبان کے ذریعہ ہوتے ہیں اس لئے اس کی حفاظت ضروری ہے۔

نجات کے لئے تین کام

عن عقبة ابن عامر رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ ما النجاة؟ قال املك علیك لسانك، ویسعك بیتك وابك علی خطیئتك۔

(ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر ۲۴۰۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ، نجات کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی آخرت میں عذاب جہنم سے نجات ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی عطا فرمادیں، اور جنت میں داخلہ فرمادیں، اس کا کیا طریقہ ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں تین جملے ارشاد فرمائے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو، زبان بے قابو نہ ہونے پائے، اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارا گھر تمہارے لئے کافی ہو جائے، یعنی اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارے، فضول اور بلاوجہ تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ضرورت کے تحت گھر سے باہر جاؤ، بلا ضرورت باہر مت جاؤ، تاکہ باہر جو فتنے ہیں۔ ان کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔

گناہوں پر رو

اور تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی غلطی کوئی گناہ یا خطا تم سے سرزد ہو جائے تو اس غلطی پر رو، رونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے توبہ کرو، اور اس پر ندامت کا اظہار کر کے استغفار کرو۔ رونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پر واقعۃً رو، جیسے ابھی چند روز پہلے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے رونا آتا ہی نہیں ہے، اس لئے میں پریشان ہوتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر خود سے غیر اختیاری طور پر رونا نہ آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن گناہ پر دل سے نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے، کہ یا اللہ مجھ سے غلطی ہو گئی، آپ معاف فرما دیں۔

اے زبان اللہ سے ڈرنا

وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اصبح ابن آدم، فان الاعضاء کلھا تکفر اللسان، تقول اتق اللہ فینا، فانما نحن بك، فان استقمت استقمنا، وان اعوججت اعوججنا۔

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی حفظ اللسان، حدیث نمبر ۲۴۰۷)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے اندر جتنے اعضاء ہیں۔ وہ سب زبان سے مخاطب ہو کر یہ کہتے ہیں کے اے زبان، تو اللہ سے ڈرنا، اس لئے کہ ہم تو تیرے تابع ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا سارا جسم زبان کے تابع ہوتا ہے، اگر زبان نے غلط کام کرنا شروع کر دیا تو اس کے نتیجے میں سارے کا سارا جسم گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ زبان سے کہتے ہیں کہ تو سیدھی رہنا ورنہ تیرے کرتوت کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

اب کس طرح یہ اعضاء زبان سے مخاطب ہوتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً کہتے ہوں اس لئے کہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرما دیتے ہوں، اور

اس کے نتیجے میں وہ زبان سے گفتگو کرتے ہوں، اس لئے کہ زبان کو بھی قوت گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوت گویائی عطا فرمائیں گے۔

قیامت کے روز اعضا بولیں گے

گزشتہ زمانے میں "نیچریت" کا بڑا زور تھا۔ اور یہ فرقہ نیچریت کے لوگ معجزات وغیرہ کا انکار کرتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو فطرت کے خلاف ہے کیسے ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ جو قرآن شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے روز یہ ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ گفتگو کریں گے۔ یہ کس طرح گواہی دیں گے؟ ان کے اندر زبان نہیں ہے، اور بغیر زبان کے کیسے بولیں گے؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ زبان بھی ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، اس کے لئے الگ سے کوئی زبان نہیں ہے لیکن پھر بھی بول رہی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے گوشت کے اس لوتھڑے کو گویائی کی قوت عطا فرما دی، تو یہ بولنے لگی، اگر اللہ تعالیٰ اس قوت کو سلب کر لیں، تو بولنا بند کر دے گی ــ اور یہی گویائی کی قوت جب اللہ تعالیٰ ہاتھ کو عطا فرمائیں گے تو ہاتھ بولنے لگے لگا، پاؤں کو عطا فرمائیں گے تو پاؤں بولنے لگے گا۔

بہر حال، یہ حقیقت بھی ہو سکتی ہے کہ صبح کے وقت اعضاء زبان سے اس طرح گفتگو کرتے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ محض ایک تمثیل ہو، کہ یہ سارے اعضاء چونکہ اس زبان کے تابع ہیں، اس لئے زبان کو صحیح رکھنے کی کوشش کرو۔

بہر حال اس زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے، جب تک انسان اس پر قابو نہ پا لے اور اس کو گناہوں سے نہ بچالے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس زبان کی حفاظت کرنے اور اس کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر بیت اللہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/ ۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۲۶ر فروری ۱۹۹۲ء

مقام خطاب : مسجد فاطمہ نزد حافظ ربڑی ہاؤس۔ حیدر آباد

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

یہ واقعہ کہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ۔ انسانیت اور تاریخ۔ ادیان کا عظیم الشان واقعہ ہے عبادت گاہوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ عظیم الشان واقعہ کوئی اور نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کیا جارہا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام
اور
تعمیر بیت اللہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ، وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (البقرة: ۱۲۷-۱۲۹)

"آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم" ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

بزرگان دین محترم و برادران عزیز!

یہ ہم سب کیلئے بڑی عظیم سعادت اور خوش نصیبی کا موقع ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں آج ایک مسجد کی تاسیس اور اس کی سنگ بنیاد کی

مبارک تقریب میں شرکت کا موقع عطا فرمایا۔ اس موقع پر مجھ سے فرمائش کی گئی کہ کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں، الحمد اللہ اس مبارک محفل میں میرے بہت سے بزرگ جو مجھ سے کہیں زیادہ علم و فضل اور فلاح و تقویٰ کے حاملین ہیں، اسی اسٹیج پر تشریف فرما ہیں اور ان کی موجودگی میں مجھ ناکارہ کی لب کشائی ایک جسارت اور جرات معلوم ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی اپنے بزرگوں سے ہمیشہ یہ سنا کہ جب کوئی بڑا کسی بات کا حکم دے تو چھوٹے کا یہی کام ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے اس میں چوں و چرا کی مجال نہ ہونی چاہئے اس لئے تعمیل حکم کی خاطر یہ مشکل فریضہ انجام دے رہا ہوں کہ اپنے ان بزرگوں کی موجودگی میں آپ حضرات کے سامنے خطاب کرنے کیلئے بیٹھا ہوں۔ اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کے مطابق ہو، اور اس سے مجھے اور سننے والوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دین کی جامعیت

میں سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر دین کی کون سی بات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں کیونکہ ہم اور آپ جس دین کے پیروکار ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو ایسا عظیم الشان بنایا کہ اس کا ہر گوشہ اس کا ہر پہلو ایک مستقل موضوع بنانے کے قابل ہے اور اس کیلئے ایک مستقل وقت درکار ہے۔

زفرق تابہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

دین کے ہر پہلو کا حال یہ ہے جب اس کی طرف نگاہ کی جاتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ اسی کو موضوع سخن بنایا جائے۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں۔

لیکن اس مسجد کی سنگ بنیاد کے عظیم الشان موقع پر شرکت کرتے وقت اور حصہ لیتے وقت خیال آیا کہ آج کی گفتگو کا موضوع اسی مسجد کی تعمیر کی مناسبت سے قرآن کریم کی ان آیات کو بنایا جائے جو ابھی میں نے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیں۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عظیم الشان واقعہ بیان فرمایا ہے۔

تعمیر بیت اللہ کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جلیل القدر فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی معیت میں اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر فرمایا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو بڑے عجیب و غریب اور بڑے والہانہ انداز میں بیان فرمایا اور پوری امت کیلئے قیام قیامت تک اس کو اپنی مقرب کتاب کا حصہ بنا کر پوری امت مسلمہ کیلئے اس کو ہمیشہ کیلئے محفوظ فرما دیا۔ اور اس بات کی دعوت دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو بار بار تازہ کیا جائے خیال آیا کہ آج اس محفل میں مختصراً ان آیات کی تھوڑی سی تفسیر اور اس دعا کی تھوڑی سی تفصیل آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ کا گھر تعمیر کرتے وقت مانگی تھی۔ اور جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ سورۃ بقرہ میں ذکر فرمایا سب سے پہلے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (البقرہ: ١٢٧)

اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ اسلام بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند فرما رہے تھے' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی (ان کے ساتھ شامل تھے) "واذ" یہ عربی زبان میں بیان کرنے کا خاص اسلوب ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ جو بات آگے بیان کی جارہی ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ ہر آن اور ہر لمحے اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے مستحضر رکھا جائے

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بیت اللہ اگرچہ پہلے سے موجود تھا۔ اس کی بنیادیں موجود تھیں حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے یہ دنیا کے اندر چلا آتا تھا لیکن مرور ایام سے اس کی عمارت موجود نہ رہی تھی۔ بنیادیں باقی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بنیادوں پر اس بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اس عمل میں ان کے ساتھ شریک تھے۔

مشترکہ کارنامہ کو بڑے کی طرف منسوب کرنا

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ روزانہ جب قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تو تلاوت کے دوران ہی قرآن کریم کی آیتوں میں تدبر بھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہم لوگوں میں سے کوئی یا حضرت کے خدام میں سے کوئی موجود ہوتا تو جو بات تلاوت کے دوران ذہن میں آتی اس کے بارے میں اس کے سامنے ارشاد بھی فرمایا کرتے تھے ایک روز حضرت والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے، میں قریب بیٹھا ہوا تھا جب اس آیت پر پہنچے، "واذیرفع ابراہیم القواعد من البیت و اسماعیل" تو تلاوت روک کر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو: قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عجیب اسلوب اختیار فرمایا اللہ تعالیٰ یوں بھی فرما سکتے تھے کہ "واذ یرفع ابراہیم و اسماعیل القواعد من البیت" (البقرہ 127) یعنی اس وقت یاد کرو جب ابراہیم " اور اسماعیل " دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس طرح بیان نہیں فرمایا، بلکہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کا نام لیکر جملہ مکمل کر دیا کہ اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل " بھی۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا آخر میں علیحدہ ذکر فرمایا والد صاحب " نے فرمایا۔ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس

عمل میں برابر کے شریک تھے۔ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے اس تعمیر کو براہ راست حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا

پھر والد صاحب نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی بڑا اور چھوٹا دونوں مل کر ایک کام انجام دے رہے ہوں تو ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کام کو بڑے کی طرف منسوب کیا جائے اور اس کے ساتھ چھوٹے کا ذکر یوں کیا جائے کہ چھوٹا بھی اس کے ساتھ موجود تھا نہ یہ کہ چھوٹا اور بڑے دونوں کو ہم مرتبہ قرار دیکر دونوں کی طرف اس کام کو برابر منسوب کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ادب

اسی بات کو حضرت والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ نے ایک اور واقعہ کے ذریعہ سمجھایا' فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تو یہ تھا کہ عشاء کے بعد زیادہ کسی کام میں مشغول نہیں ہوتے تھے آپ فرماتے تھے کہ عشاء کے بعد قصے کہانیاں کہنا اور زیادہ فضول گوئی میں مشغول رہنا اچھی بات نہیں ہے۔ تاکہ صبح کی نماز پر اثر نہ پڑے لیکن ساتھ ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا دیکھئے جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا تو یوں نہیں کہا کہ مجھ سے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کرتے تھے بلکہ فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے تھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ ہے چھوٹے کا ادب کہ جب چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کوئی کام کر رہا ہو تو وہ کام اپنی طرف منسوب نہ کرے بلکہ بڑے کی

طرف منسوب کرے کہ بڑے نے یہ کام کیا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

لہٰذا قرآن کریم نے بھی وہی اسلوب اختیار فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ شامل تھے یہاں تعمیر بیت اللہ کی اصل نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی۔ اور اسماعیل علیہ السلام کو ان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ یہ تو ایک نکتہ تھا جو حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ کے حوالے سے یاد آگیا

عظیم الشان واقعہ

غرض سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ انسانیت کا اور تاریخ ادیان کا عظیم الشان واقعہ ہے، عبادت گاہوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ عظیم الشان واقعہ کوئی اور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اللہ کا گھر تعمیر کیا جارہا تھا اس واقعہ میں بے شمار تفصیلات تھیں، مثلاً یہ کہ پتھر کہاں سے لائے گئے؟ گارہ کہاں سے جمع کیا گیا؟ کون پتھر اٹھا رہا تھا؟ کون چنائی کر رہا تھا کتنی بلندی پر تعمیر کیا گیا؟ کتنی لمبائی اور کتنی چوڑائی تھی؟ کتنا وقت اس تعمیر پر لگا؟ کتنا روپیہ اس پر خرچ ہوا؟ یہ ساری تفصیلات تھیں لیکن قرآن کریم نے ان تفصیلات میں سے کوئی تفصیل ذکر نہیں فرمائی۔ بس اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔

اس کے بعد یہ بیان فرمایا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اس وقت ان کی زبان مبارک پر کیا دعائیں تھیں؟ وہ کیا الفاظ کہہ رہے تھے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ سے کیا مناجات کر رہے تھے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سارا عمل ایک طرف اور اس عمل کے ساتھ جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے والی دعائیں

زبان مبارک پر تھیں۔ وہ ایک طرف، اللہ تعالیٰ کو سارے عمل کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اتنی پسند آئیں کہ اس کو قیام قیامت تک کیلئے قرآن کا حصہ بنا دیا۔ چنانچہ فرمایا جب وہ بیت اللہ کی تعمیر کا کام کر رہے تھے تو زبان مبارک پر یہ دعا تھی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

"کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے اس خدمت کو اپنی فضل و کرم سے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما بلاشبہ آپ بہت سننے والے اور بہت جاننے والے ہیں۔" جو بات اللہ رب العزت کو پسند آئی، جو ادا اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھائی وہ یہ کہ کام تو اتنا عظیم الشان انجام دے رہے ہیں کہ اس روئے زمین پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف منسوب پہلا اور آخری گھر تعمیر کر رہے ہیں۔ جو قیامت تک کیلئے ساری انسانیت کے واسطے ایک مقناطیس بننے والا ہے جس کی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر جانے والے ہیں وہاں پر عبادتیں کرنے والے ہیں وہ بیت اللہ کہ جس کی بنیادیں نامعلوم ہوچکی تھیں وہ بیت اللہ جس کی تعمیر ختم ہوچکی تھی اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھا رہے تھے لیکن زبان اور دل پر کوئی فخر نہیں، کوئی ناز نہیں، کوئی غرور بھی نہیں کہ میں اتنا بڑا کام انجام دے رہا ہوں اور اس کام کو انجام دیتے وقت سینہ تنا ہوا نہیں ہے، گردن اکڑی ہوئی نہیں ہے اور کسی قسم کے فخر اور تکبر کے جذبات نہیں بلکہ دل میں یہ جذبات ہیں کہ یا اللہ میری خدمت اور یہ میرا عمل اس لائق تو نہیں ہے کہ آپ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کرے، لیکن اے اللہ آپ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے اسے قبول فرما لیجئے۔

دل میں بڑائی نہ ہو

اس دعا میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ انسان اللہ کا بندہ ہے وہ خواہ کتنا ہی بڑا کارنامہ انجام دے رہا ہو کتنی بڑی خدمت انجام دے رہا ہو، لیکن اس کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ میں

کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہا ہوں یا یہ کہ میں اللہ کے دین کی کوئی بہت بڑی خدمت کر رہا ہوں۔ اس کے دل میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ میرا عمل میری ذات کے لحاظ سے تو اس لائق نہیں کہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور یہ التجا ہے کہ یا اللہ اس چھوٹے عمل کو اور اس ادھورے عمل کو اپنے فضل و کرم سے قبولیت کا شرف عطا فرما دیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا سے یہ سبق سکھا دیا کہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ بڑے بڑے کام جو شخص انجام دیتا ہے تو اس کا نفس اور اس کی نفسانی خواہشات اس کو فخر پر ابھارتی ہیں دوسروں کے سامنے شیخی بھگارنے کی طرف مائل کرتی ہیں۔ لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی سنت سے یہ طریقہ بتایا کہ اگر تم نے کوئی نیک کام کیا' اور اس نیک کام سے تمہارے دل میں کوئی فخر اور تکبر پیدا ہوگیا تو وہ اس عمل کو ملیامیٹ کر ڈالے گا۔ اس کے بجائے جب تم کوئی عمل کرو تو یہ سوچو کہ مجھے تو اللہ کی بارگاہ میں جیسا عمل پیش کرنا چاہئے تھا ویسا عمل پیش نہیں کر سکا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے آمین۔

فتح مکہ اور آپ کی انکساری

حضور نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے' اکیس سال کی محنت کا ثمرہ مکہ مکرمہ کی فتح کی صورت میں سامنے آرہا تھا اس مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو رہے تھے جس میں رہنے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے' تکلیفیں دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں تیار کی گئیں' قتل کے منصوبے بنائے گئے' مسلمانوں کو "لا الہ الا اللہ" کہنے کی پاداش میں ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا' اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو اس کا سینہ تنا ہوا ہوتا' گردن اکڑی ہوئی ہوتی اور "انا ولا

غیوری" کے نعرے لگاتا ہوا داخل ہوتا، اور مکہ مکرمہ کی گلیاں خون سے لالہ زار ہوجاتیں۔ لیکن یہ رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ منظر آج بھی اس طرح یاد ہے، جیسے اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم معلی کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہورہے ہیں اور اپنی اونٹنی "ناقہ قصوی" پر سوار ہیں اور اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں گردن جھکی ہوئی ہے یہاں تک کہ ٹھوڑی مبارک سینے سے لگی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور زبان مبارک پر یہ آیات ہیں۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (سورة الفتح ۱)

کہ یا اللہ یہ جو کچھ نصرت ہوئی یہ آپ ہی کی طرف سے ہے میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں یہ آپ کے فضل و کرم سے ہے کہ آپ نے مجھے فاتحانہ شان سے یہاں داخل فرمایا لہذا اب فاتح کی شان یہ ہے کہ اس کی گردن تننے کے بجائے جھک جائے اور سینہ مبارک سے لگ جائے انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی سنت تھی اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت ہے۔

توفیق منجانب اللہ ہوتی ہے

جب اللہ تعالیٰ کسی اچھے عمل کی توفیق عطا فرمائے تو یاد رکھو یہ توفیق بھی اس کی طرف سے ہے، اگر عمل کی توفیق نہ ہوتی تو تم سے یہ کام بن نہیں سکتا تھا یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے تمہیں اس خدمت پر لگادیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیں کنی
منت شناس کہ اورا بخدمت گزاشتن

کہ یہ احسان کرنے کا موقع نہیں کہ میں نے بڑی نمازیں پڑھ لیں، میں نے بڑے روزے رکھ لئے، میں نے بڑا ذکر کرلیا، میں نے

بڑی عبادتیں انجام دے لیں، میں نے بڑی خدمت دین انجام دیں، میں نے بڑی کتابیں لکھیں، میں نے بڑی تقریریں کیں، میں نے بڑے فتوے لکھے یہ کوئی فخر کی بات نہیں، ارے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ ایک ذرے سے جو چاہے کام لے۔ یہ دعا کرو کہ وہ نیک کام کرنے کی توفیق دے۔ اور جو کچھ عمل کرنے کی توفیق ہو تو ایک بندے کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اللہ کے سامنے اس کے قبولیت کی دعا مانگے کہ اے اللہ! اس کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما یہ بڑے پست حوصلہ انسان کا کام ہے کہ تھوڑے سے عمل کی توفیق اللہ نے دے دی تو اس پر اترانے لگا، اس کے اوپر فخر و ناز میں مبتلا ہوگیا۔ اور لوگوں کے سامنے تکبر کرنے لگا جیسے عربی زبان کی ایک مثال ہے کہ صلی الحائك ركعتين وانتظر الوحى

ایک جولاہے نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد انتظار میں بیٹھا ہے کہ کب میرے اوپر وحی نازل ہو، یہ سمجھ رہا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھنا اتنا عظیم الشان کام ہے کہ مجھے براہ راست نبوت ملنی چاہئے تو یہ کم ظرف اور کم حوصلہ انسان کا کام ہے۔ ایک بندہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کا کام یہ ہے وہ ڈرتا رہے، کام بھی کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ سے ڈر بھی رہا ہے کہ یہ کام تو اس کے شایان شان تو نہیں ہے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ لیکن اللہ رب العزت سے دعا کر رہا ہے کہ اس کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے

تو سب سے پہلی بات جو اللہ تعالیٰ کو تعمیر کعبہ میں پسند آئی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا تھی کہ کعبہ تعمیر کر رہے ہیں، اور اتنا عظیم الشان کام انجام دے رہے ہیں، لیکن کوئی فخر نہیں، کوئی غرور نہیں، کوئی تکبر نہیں۔

حقیقی مسلمان کون؟

آگے دعا کا دوسرا حصہ عجیب و غریب ہے جب حضرت ابراہیم علیہ

السلام بیت اللہ تعمیر فرما رہے تھے اس وقت دوسری دعا یہ فرمائی

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

اے پروردگار! ہم دونوں کو یعنی مجھے بھی اور میرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو مسلمان بنا دیجئے۔ اب یہ عجیب دعا ہے کہ کیا وہ مسلمان نہیں تھے؟ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام مسلمان نہ ہوں تو پھر دنیا میں کون مسلمان ہوگا؟ لیکن دعا یہ فرما رہے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا دیجئے بات اصل میں یہ ہے کہ عربی زبان میں ''مسلم'' کے معنی ہیں: تابعدار' فرمانبردار' جھکنے والا آپ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ مجھے اور میرے بیٹے کو اپنے آگے جھکنے والا بنا دیجئے تاکہ میری پوری زندگی اور میرے بیٹے کی زندگی آپ کے تابع فرمان ہوجائے پوری زندگی آپ کی فرماں برداری میں گزر جائے' کیونکہ ویسے تو آدمی جیسے ہی کلمہ پڑھتا ہے "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله" وہ مسلمان ہوجاتا ہے چاہے ستر برس کا کافر بھی کیوں نہ ہو' لیکن صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینا مومن کا کام نہیں بلکہ کلمہ طیبہ کے بعد پوری زندگی کو اللہ کے تابع فرمان بنائے بغیر انسان مکمل مسلمان نہیں بنتا' اسی لئے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً

اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔ یہاں خطاب کیا گیا ہے ایمان والوں کو جو پہلے سے ایمان والے ہیں اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ یہ ایمان والے اب کس میں داخل ہوجائیں؟ اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ ایمان لے آنا ایک عمل ہے اور اس کے بعد اسلام میں داخل ہونا دوسرا عمل ہے' اور اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اپنے وجود کو' اپنی زندگی کو' اپنی نشست و برخاست کو' اپنے فکر و انداز کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنائے جب تک یہ نہیں کرو گے اسلام میں پوری طرح داخل نہیں ہو گے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ

السلام یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے پرودگار' مجھے اور میرے بیٹے کو صحیح معنوں میں مسلمان بنائیے یعنی اپنا تابع فرمان بنائیے

تعمیر مسجد کا مقصد

یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے---- واللہ سبحانہ اعلم----- کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسجد تو بنا رہے ہیں اللہ کا گھر تو تعمیر کر رہے ہیں جو بہت بڑا عظیم الشان کام ہے لیکن یہ مسجد کی تعمیر درحقیقت ایک علامت ہے' مسجد کی تعمیر بذات خود مقصود نہیں ہے' بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے بعد اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنالیا جائے جب تک یہ نہ ہوگا تو محض تعمیر مسجد تنہا کافی نہیں اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہمیں اپنا تابع فرمان اس طرح بنا لیجئے کہ اپنی زندگی کا ہر کام آپ کے حکم کے مطابق ہوجائے یہ ہیں مسلمین کے معنی اور اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوا تو پھر وہ مسجد اس شعر کا مصداق بن جائیگی

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

مسجد تو بڑی عالیشان تعمیر ہوگئی لیکن اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں' اللہ کا ذکر کرنے والا نہیں' اور خدا نہ کرے اور وہ کیفیت ہوجائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے کی مساجد کے بارے میں فرمایا کہ "عامرة وھی خراب" کہ مسجدیں باہر سے بڑی اچھی' شاندار' بڑی مزین' بڑی آراستہ ہونگی' لیکن اندر سے ویران ہونگی اس کے اندر کوئی نماز پڑھنے والا موجود نہ ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ اس لئے فرمایا اے اللہ ہمیں مسلمان بنا دیجئے۔ ساتھ ساتھ اپنا تابع فرماں

بنا دیجئے۔

دین نماز اور روزے میں منحصر نہیں

بعض مرتبہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ مسلمانی کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھ لی اور پانچ وقت حاضری دیدی۔ روزہ رکھ لیا اور زکوۃ ادا کردی' عبادات انجام دے لیں بس ہوگئے مسلمان۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں ایک اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ مسجد کی تعمیر کرنا' مسجد کے اندر جاکر اللہ تعالٰی کی عبادت کرنا' نمازیں پڑھنا' ذکر کرنا یہ سب بھی دین کا حصہ ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر باقی چیزوں کو نظر انداز کردو' آج ہمارا یہ حال ہے کہ جب تک مسجد میں ہیں تو مسلمان ہیں نمازیں بھی ہورہی ہیں' ذکر بھی ہورہا ہے' عبادت بھی انجام دی جارہی ہے۔ لیکن جب بازار میں پہنچے تو وہاں سارے معاملات اللہ کے حکم کے خلاف ہورہے ہیں۔ دفتروں میں پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں' حکومت کے ایوانوں میں پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں' بس دین نام رکھ لیا عبادتوں کے انجام دینے کا' نماز پڑھ لی' روزہ رکھ لیا' زکواۃ دے دی' حج کرلیا' اللہ اللہ خیر سلا' یادرکھو! دین درحقیقت پانچ شعبوں کا مجموعہ ہے۔ عقائد کی درستی' عبادات' معاملات' معاشرت' اخلاق ان سب کے مجموعے سے اسلام بنتا ہے' اسلام یہ نہیں کہ مسجد میں تو مسلمان ہیں گھر میں جاکر کافر ہوگئے (معاذ اللہ) مسلمان وہ ہے جو پورا کا پورا مسلمان ہو' اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً

اے! ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ' یہ نہیں کہ بس مسجد میں چلے گئے' اور عبادات بھی کرلیں مگر معاملات خراب' معاشرت خراب' اخلاق خراب' یہ ساری چیزیں اسلام میں

داخل ہونے کیلئے ضروری ہیں۔

مسجد کے حقوق میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس کو مسجد میں جاکر سجدہ کررہے ہو بازار میں بھی جاکر اسی کے حکم کی اطاعت کرو۔ یہ نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھی اور بازار میں جاکر رشوت دیدی۔ یہ نہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد سود کھالیا بلکہ اخلاق و معاشرت کو بھی شریعت کے مطابق بنالو' ہمارے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اس بات سے بھرے ہوئے ہیں کہ جس طرح عبادت ضروری ہے اسی طرح معاشرت درست کرنا بھی ضروری ہے' اخلاق درست کرنا بھی ضروری ہے' اور معاملات درست کرنا بھی ضروری ہیں۔ آج کی دنیا اس بات کو فراموش کر بیٹھی ہے اور دین صرف نماز روزے کا نام رکھ لیا ہے یہ غلط فہمی دور کرلینی چاہئے۔

اولاد کی اصلاح کرنا واجب ہے

پھر آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا کہ

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

اے اللہ ہماری آنے والی نسل کو بھی مسلمان بنایئے' اس کو بھی اپنے تابع فرمان بنایئے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ ایک مسلمان کا کام صرف خود مسلمان بن کر ختم نہیں ہوتا' اس کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اپنی اولاد کی فکر کرے' آج ہم مسلمانوں کے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جو خود تو نماز کے پابند' صف اول کے پابند' تلاوت قرآن کے پابند' لیکن ان کے ذہنوں میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اولاد کہاں جارہی ہے اولاد تیزی سے الحاد کے راستے پر' بے دینی کے راستہ پر' اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے راستے پر' جہنم کے راستے پر جارہی ہے لیکن کبھی خیال نہیں آتا ہے کہ ان کو کس طرح بچایا جائے' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا میں اس طرف اشارہ کردیا کہ مسلمان کیلئے صرف اپنی اصلاح کرلینا کافی نہیں بلکہ قرآن کریم کا

ارشاد ہے کہ:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو! اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ، اپنے بچوں کو بھی بچاؤ جس طرح خود مسلمان بننا فرض اسی طرح آنے والی نسل کو بھی مسلمان بنانا اور ان کی اصلاح کی فکر کرنا بھی فرض ہے

آگے فرمایا:

وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

یہ نہیں فرمایا کہ اس عمل پر مجھے ثواب عطافرما، اس لئے میرا یہ عمل ثواب کے لائق تو کیا ہوتا بلکہ خطرہ یہ ہے کہ میرے اس عمل میں کس قسم کی کوتاہیاں شامل نہ ہوگئی ہوں جس کی وجہ سے یہ عمل غارت ہوجائے، اے اللہ اگر ایسی کوتاہیاں ہوئی ہوں تو ہماری توبہ قبول فرما

یہ بھی عمل کی توفیق کا حصہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے اوپر اللہ تعالٰی سے قبولیت کی دعاکرے اور پھر استغفار کرے کہ اے اللہ اس عمل میں جو کوتاہیاں ہوئی ہوں اس کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما، یہ کام ہے مومن کا۔

نماز کے بعد استغفار کیوں؟

حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو نماز ختم ہوتے ہی آپ تین مرتبہ فرماتے تھے استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ اب یہ اس وقت استغفار کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ استغفار تو اس وقت ہوتا ہے جب انسان سے کوئی گناہ ہوجائے تو وہ استغفار کرے کہ یا اللہ مجھے معاف کردے تو بظاہر نماز کے بعد استغفار کا موقع نہیں، بلکہ نماز تو اللہ کے حضور حاضری ہے، اس کے بعد استغفار کیوں؟ بات دراصل یہ ہے کہ نماز تو ہم نے پڑھ لی مگر

اللہ تبارک و تعالٰی کی ذات کبریائی کا جو حق تھا وہ نماز میں ادا نہ ہوا

"ما عبدناك حق عبادتك"

اے اللہ ہم آپ کی بندگی کا حق ادا نہ کر سکے' تو نماز کے بعد یہ استغفر اللہ اس واسطے ہے کہ جو حق تھا وہ تو ادا ہوا نہیں' اے اللہ اپنی رحمت سے ان کوتاہیوں کو دور فرما' قرآن کریم میں بھی نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے سورہ ذاریات میں باری تعالٰی نے فرمایا

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

اللہ کے بندے وہ ہیں جو رات کو بہت کم سوتے ہیں اللہ تعالٰی کے حضور رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اللہ کے حضور حاضر ہیں اور دعا مانگ رہے ہیں' پوری رات عبادت میں گزاری' لیکن جب سحری کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ یہ کونسا استغفار کا موقع ہے ؟ ساری رات تو عبادت کرتے رہے کوئی گناہ نہیں کیا' جو استغفار کریں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: درحقیقت وہ اس بات پر استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ جو عبادت رات کو کی ہے وہ اس لائق تو نہیں کہ آپ کی بارگاہ میں پیش کی جائے۔ اس واسطے اے اللہ ہم ان کوتاہیوں سے استغفار کرتے ہیں۔ جو نماز کے اندر ہوئیں تو ایک بندے کا کام یہ ہے کہ جو نیک عمل بھی کرے نیکی کے جس کام کی جو توفیق ہو اس پر غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اس کی کوتاہیوں پر استغفار کرے۔ اللہ تبارک و تعالٰی کا شکر کرے اور اس کی قبولیت کی دعا مانگے۔ اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جامع دعا

پھر یہ ساری دعائیں کرنے کے بعد آخر میں یہ زبردست دعا فرمائی :

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔

کہ اے پروردگار یہ کعبہ تعمیر کرلینا کافی نہیں اے اللہ جو کعبہ کے پاس رہنے والے ہیں ان میں اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا رسول بھیجئے جوان کے سامنے آپ کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کو پاک صاف کرے، ان کے اخلاق ان کے اعمال پاک صاف کرے۔

یہ دعا بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما رہے ہیں اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ خواہ اللہ کے کتنے گھر دوبارہ تعمیر ہوجائیں کتنی مساجد بن جائیں۔ لیکن یہ مسجد اس وقت تک اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس کے ساتھ موجود نہ ہوں اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی، اور اس دعا کے اندر فرمایا کہ وہ پیغمبر آپ کی آیتوں کی تلاوت کرے اس میں اشارہ اس طرف کردیا کہ آیات کی تلاوت بذات خود ایک مقصد ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنا بذات خود ایک انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور وہ پیغمبر صرف تلاوت نہیں کریگا۔ بلکہ وہ کتاب کی تعلیم بھی دیگا۔

قرآن کیلئے حدیث کے نور کی ضرورت

اس سے اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ کتاب یعنی قرآن محض مطالعہ سے حاصل ہونے والی چیز نہیں کہ اس کا مطلب ہم مطالعہ سے حاصل کرلیں، آج کل قرآن کی اسٹڈی کرنے کا بڑا رواج ہے، صرف اسٹڈی کے ذریعہ اس کو حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے اس آیت میں اشارہ کردیا کہ یہ قرآن خود بیٹھ کر اسٹڈی کرنے کی چیز نہیں جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اسکو

نہیں پڑھا جائے اس وقت تک قرآن کا مطلب سمجھ میں نہیں آئیگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

فرمایا کہ جیسے آپ کے پاس ایک کتاب ہو لیکن روشنی نہ ہو اندھیرا ہو، اب کتاب تو موجود ہے لیکن روشنی کے بغیر آپ اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حسین اشارہ فرمایا کہ تمہارے پاس ہم نے کتاب بھی بھیجی اور اس کے ساتھ اس کتاب کو پڑھ کر سمجھنے والا نور بھی بھیجا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ہے اس کی روشنی میں پڑھو گے تو کامیابی حاصل ہوگی اس سے ہٹ کر اگر پڑھنے کی کوشش کروگے تو وہ شخص ایسا ہی ہے جیسا کہ اندھیرے میں کتاب پڑھنے والا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں پھر آخر میں فرمایا کہ وہ پیغمبر تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کریگا، بلکہ ان کو غلط اخلاق سے غلط اعمال سے صاف کریگا انکا تزکیہ کریگا اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ تعلیم بھی زبانی کافی نہیں بلکہ اس کیلئے تربیت اور صحبت کی ضرورت ہوگی جب تک کہ یہ نہیں ہوگی اس وقت تک انسان کے اعمال اور اخلاق صحیح معنوں میں درست نہیں ہونگے بہرحال، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جو دعائیں تعمیر کعبہ کے وقت مانگی تھیں یہ اس کی تھوڑی سی تفصیل تھی، اس دعا میں پورا دین سما گیا ہے دین کے سارے شعبے اس کے اندر آگئے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مسجد کی تعمیر اور اس کی تاسیس کی برکت عطا فرمائے اس کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وقت کی قدر کریں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت اور بے وقعت چیز وقت ہے اس کو جہاں چاہا ضائع کر دیا برباد کر دیا کوئی قدر و قیمت نہیں، گھنٹے دن مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں۔ جس میں نہ تو دنیا کا کوئی فائدہ نہ دین کا کوئی فائدہ خدا کے لئے اس طرز عمل کو بدلیں۔ اور زندگی کے قیمتی لحات کو کام میں لگائیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وقت کی قدر کریں

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس، الصحۃ والفراغ۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ، حدیث نمبر ٦٠٤٩)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ

جیسا کہ میں نے پچھلے جمعہ عرض کیا تھا کہ "ریاض الصالحین" کی تکمیل کے بعد

انشاء اللہ حدیث کی کوئی دوسری کتاب شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس لئے آج اللہ کے نام پر حدیث کی دوسری کتاب شروع کی جارہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرمائے، اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ کتاب ایک بہت بڑے امام، فقیہ، محدث، صوفی، مجاہد حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس کا نام "کتاب الزہد والرقائق" ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہماری امت کے ان بزرگوں میں سے ہیں، جن کا نام آتے ہی دل میں عقیدت و محبت کی پھواریں محسوس ہوتی ہیں۔ اس مجلس میں پہلے بھی ان کے کئی واقعات بیان کرتا رہا ہوں۔ یہ دوسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں ان کی پیدائش غالباً دوسری صدی ہجری کے ابتداء میں ہوئی ہے، گویا کہ یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں جبکہ ابھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے گئے ہوئے سو سال ہوئے تھے۔ صحاح ستہ کے نام سے حدیث شریف کی جو چھ مشہور کتابیں، بخاری شریف سے لے کر ابن ماجہ تک ہیں، یہ ان سب سے متقدم اور ان سب کے بزرگ ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر بھی ہیں۔ اور ان کے شاگرد بھی ہیں۔ اور یہ اس زمانے کے بزرگ ہیں۔ جب عالم اسلام ان بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس زمانے کے جس خطے کو دیکھئے۔ اس میں بے نظیر شخصیتیں موجود تھیں۔ اور یہ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خراسان کے شہر مرو میں پیدا ہوئے، اور پھر جا کر عراق کے شہر بغداد میں آباد ہوئے، اور وہیں قیام کیا۔

آپ کی اصلاح کا عجیب و غریب واقعہ

ان کے حالات بھی بڑے عجیب و غریب ہیں۔ ان بزرگوں کے تذکرے میں بھی بڑا نور اور بڑی برکت ہے۔ ان کے ایک ایک واقعے کے اندر یہ تاثیر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ شاید ان کا یہ قصہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا ہو گا کہ یہ امیر کبیر گھرانے کے ایک فرد تھے۔ اور خاندانی رئیس تھے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دھلوی رحمہ اللہ علیہ نے بستان المحدثین میں ان کا یہ واقعہ نقل کیا

ہے کہ ان کا ایک بہت بڑا سیب کا باغ تھا۔ اور جس طرح امیر کبیر لوگوں میں آزادی ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی آزاد منش تھے، نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق، پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے، ایک مرتبہ جب سیب کا موسم آیا تو یہ اپنے اہل و عیال سمیت اپنے باغ ہی میں منتقل ہو گئے، تاکہ وہاں سیب بھی کھائیں گے۔ اور شہر سے باہر ایک تفریح کی فضا ہوگی، چنانچہ وہاں جاکر مقیم ہو گئے۔۔۔ دوست واحباب کا حلقہ بھی بڑا وسیع تھا۔ اس لئے وہاں پر دوستوں کو بھی بلا لیا۔ رات کو باغ کے اندر گانے بجانے کی محفل جمی، اور اس محفل میں پینے پلانے کا دور بھی چلا۔ یہ خود موسیقی کا آلہ رباط کے بجانے کے بہت ماہر تھے، اور اعلیٰ درجے کے موسیقار تھے۔۔۔ اب ایک طرف پینے پلانے کا دور اور اس کا نشہ، اور دوسری طرف سے موسیقی کی تانے، اسی نشے کے عالم میں ان کو نیند آگئی۔ اور وہ ساز اسی حالت میں گود میں پڑا ہوا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ ساز گود میں رکھا ہوا ہے، اب اٹھ کر اس کو دوبارہ بجانا شروع کیا تو وہ ساز اب بجتا ہی نہیں۔ اس میں سے آواز ہی نہیں آرہی تھی۔۔۔ چونکہ خود اس کی مرمت کرنے اور درست کرنے کے ماہر بھی تھے، اس لئے اس کے تار درست کر کے مرمت کی پھر بجانے کی کوشش کی۔ مگر وہ پھر نہیں بجتا، دوبارہ اس کے تار وغیرہ درست کئے۔ اور بجانے کی کوشش کی تو اب بجائے اس میں سے موسیقی کی آواز نکلنے کے قرآن کریم کی ایک آیت کی آواز آرہی تھی۔ وہ یہ کہ

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ
وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔

(سورۃ الحدید: ۱۶)

قرآن کریم بھی عجیب عجیب انداز سے خطاب فرماتا ہے، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا اب بھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کا دل اللہ کے ذکر کے لئے پسیجے، اور اللہ نے جو حق بات اس قرآن کے اندر اتاری ہے۔ اس کے لئے ان کے دلوں میں گداز پیدا ہو، کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟

ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ آواز اسی ساز میں سے آرہی تھی، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جس جگہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس کے قریب ایک درخت پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا

تھا۔ اس پرندے کے منہ سے یہ آواز آرہی تھی ۔۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک غیبی لطیفہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو نوازنا منظور تھا۔ بس، جس وقت یہ آواز سنی۔ اسی وقت دل پر چوٹ لگی، اور خیال آیا کہ اب تک میں نے اپنی عمر کس کام کے اندر گنوائی ہے۔ فوراً جواب میں فرمایا:

بلیٰ یارب قد آن ۔ بلیٰ یارب قد آن

اے پروردگار، اب وہ وقت آگیا

اب میں اپنے ان سارے دھندوں اور مشغلوں کو چھوڑتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ سارے دھندے چھوڑ کر ہمہ تن دین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ رات کے وقت بھی ساز و رباط کی محفلیں جمی ہوئی ہیں۔ پینے پلانے کا مشغلہ ہو رہا ہے۔ اور کہاں یہ انقلاب آیا کہ اس کتاب کے مولف بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آج پوری امت مسلمہ کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں۔

(بستان المحدثین ص ۱۵۵)

علمِ حدیث میں آپ کا مقام

اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں آپ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ علم حدیث میں بہت بڑے بڑے علماء پر تنقید کی گئی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ علیہ بھی تنقید سے نہیں بچے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نہیں بچے۔ بڑے بڑے ائمہ تنقید سے نہیں بچے۔ لیکن میری نظر میں اب تک کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا۔ جس نے عبداللہ بن مبارک کی روایت اور حدیث کے بارے میں ان پر تنقید کی ہو، اتنے اونچے درجے کے محدث ہیں۔

دنیا سے آپ کی بے رغبتی اور کنارہ کشی

اور پھر دنیا سے اپنے آپ کو ایسا کاٹا، اور ایسے زاہد بن کر دنیا سے رخصت ہوئے

کہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ خاندانی رئیس اور امیر کبیر آدمی تھے۔ اس لئے حالات میں تبدیلی کے بعد بھی ایک ایک وقت میں ان کے دستر خوان پر دس دس پندرہ پندرہ قسم کے کھانے ہوتے تھے۔ اور کھانے کے وقت بڑا مجمع موجود ہوتا تھا۔ لیکن سارے مجمع کھانے میں مشغول ہوتا تھا۔ مگر یہ خود روزے سے ہوتے تھے۔ اور لوگوں کو بلا بلا کر کھانے کی دعوت دیتے، اور ان کی حاجتیں پوری کرتے۔

حدیث رسول کا مشغلہ

خراسان کے شہر مرو جہاں یہ پیدا ہوئے، وہاں پر ان کا جو مکان تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مکان کا صرف صحن پچاس گز لمبا پچاس گز چوڑا تھا۔ وہ پورا صحن اہل حاجت سے بھرا رہتا تھا، کوئی مسئلہ پوچھنے آرہا ہے۔ تو کوئی علم حاصل کرنے کے لئے آرہا ہے۔ کوئی اپنی ذاتی ضرورت کے لئے آرہا ہے ۔۔ پھر بعد میں جب بغداد میں جاکر آباد ہوئے تو وہاں پر اپنے لئے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا، اور اس میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے، تو کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ حضرت، آپ اپنا عالیشان مکان چھوڑ کر یہاں بغداد میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے ہیں، یہاں آپ کا دل کیسے لگتا ہوگا؟ جواب میں فرمایا کہ الحمد اللہ، یہاں میرا دل زیادہ لگتا ہے۔ اس لئے کہ پہلے لوگ میرے پاس بہت آیا کرتے تھے۔ اور اب میں تنہائی کی زندگی گزارتا ہوں۔ بس مسجد میں جاکر نماز پڑھ لیتا ہوں، اور پھر اپنے گھر چلا جاتا ہوں۔ اور وہاں میں ہوتا ہوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ یعنی گھر میں دن رات احادیث رسول اللہ کا مشغلہ ہے۔ اس میں مصروف رہتا ہوں، یہ زندگی مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔

(تاریخ بغداد: ۱۰/ ۱۵۴)

لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت اور محبت

بغداد کا ایک شہر رقہ تھا۔ جو اب بغداد ہی کا ایک محلہ بن گیا ہے، ہارون رشید کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ایک مرتبہ ہارون اس شہر میں اپنی والدہ یا بیوی کے ساتھ شاہی برج

میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ شہر کی فصیل کے باہر ایک شور بلند ہو رہا ہے، ہارون رشید کو خیال ہوا کہ شاید کسی دشمن نے حملہ کر دیا، یا کوئی غنیم چڑھ آیا ہے، معلوم کرنے کے لئے فوراً آدمی دوڑائے تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رقہ شہر میں تشریف لائے ہیں۔ اور لوگ ان کے استقبال کے لئے جوق در جوق شہر سے باہر نکلے ہیں۔ یہ اس کا شور ہے۔

اور میرے اپنے والد ماجد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے سنا کہ **استقبال کے** دوران حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو چھینک آگئی تھی، اور اس پر انہوں نے "الحمد اللہ" کہا، اور ان کے جواب میں پورے مجمع نے "یرحمک اللہ" کہا، اس سے یہ شور بلند ہوا ــــ جب ہارون رشید کی بیوی نے یہ صورت حال دیکھی تو ہارون رشید سے کہا کہ ہارون، تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو، اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے۔ حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو کھینچ کر یہاں نہیں لائی ہے، بلکہ یہ صرف حضرت عبداللہ بن مبارک کی محبت ہے، جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں پر جمع کر دیا ہے ــ یہ مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔

(تاریخ بغداد: ۱/۱۵۶)

آپ کی فیاضی کا عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ نے دولت اور دنیا کی نعمتیں بہت دیں۔ مگر وہی بات تھی کہ دنیا تو عطا فرمائی، **لیکن دل دنیا کی محبت سے خالی رکھا**، یہ جو کسی نے کہا ہے کہ دنیا ہاتھ میں ہو، دل میں نہ ہو، یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درجہ عطا فرمائی کہ اس کی مثالیں ملنی مشکل ہے ــ خراسان میں قیام کے دوران ایک مرتبہ انہوں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا، جب بستی کے لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ حج پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ تو بستی کے لوگ ایک وفد بنا کر ان کے پاس آگئے کہ حضرت ہم بھی آپ کے ساتھ حج کو جائیں گے، تاکہ حج کے اندر آپ کی صحبت میسر ہو، انہوں نے فرمایا کہ اچھا اگر تم لوگ بھی میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو چلو، البتہ تم سب اپنا اپنا سفر کا خرچ میرے پاس جمع کرا دو، تاکہ میں تم سب کی طرف سے

اکٹھا خرچ کرتا رہوں ۔ چنانچہ جتنے لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا ان سب نے اپنے اپنے پیسوں کی تھیلی لاکر حضرت عبداللہ بن مبارک کے پاس جمع کرادی، انہوں نے وہ ساری تھیلیاں لے کر ایک صندوق میں رکھ دیں۔ اور اس کے بعد سفر پر روانہ ہو گئے، چنانچہ تمام ساتھیوں کی سواری اور کھانے کا انتظام وغیرہ کرتے رہے، یہاں تک حج مکمل ہونے کے بعد ان سب کو مدینہ منورہ لے گئے۔ اور وہاں جاکر ان میں سے ہر ایک سے پوچھا کہ بھائی تمہارے گھر والوں نے مدینہ منورہ سے کیا چیز منگوائی تھی؟ چنانچہ ہر ایک کو بازار لے جاکر وہ چیز دلوادی ۔ پھر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے، اور وہاں آکر پھر ہر ایک سے پوچھا کہ تمہارے گھر والوں نے مکہ مکرمہ سے کیا چیز لانے کو کہا تھا؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ فلاں چیز منگوائی تھی، چنانچہ ایک ایک فرد کو بازار لے جاکر وہ چیز دلوادی۔ پھر واپس سفر کر کے جب خراسان پہنچے تو وہاں سب کی عالیشان دعوت کی، اور اس دعوت میں ہر ایک کو تحفے بھی پیش کئے، اس کے بعد وہ صندوق کھولا جس میں جاتے وقت ہر ایک کے پیسوں کی تھیلی رکھی تھی، اور ہر ایک کو اس کی تھیلی واپس کر دی ۔ اس طریقے سے سخاوت کے دریا بہائے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۳۸۵)

آپ کی سخاوت اور غرباء پروری

ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے، ایک قافلہ بھی ساتھ تھا، راستے میں ایک جگہ پر قافلے والوں کی ایک مرغی مر گئی۔ قافلے والوں نے وہ مرغی اٹھا کر کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک قافلے والوں سے ذرا پیچھے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ قافلہ والے تو اس مردہ مرغی کو پھینک کر چلے گئے، اتنے میں قریب کی بستی سے ایک لڑکی نکلی، اور وہ تیزی سے اس مردہ مرغی پر جھپٹی، اور اس کو اٹھا کر ایک کپڑے میں لپیٹا، اور جلدی سے بھاگ کر اپنے گھر چلی گئی۔ عبداللہ بن مبارک یہ سب دیکھ رہے تھے۔ بہت حیران ہوئے کہ اس مردہ مرغی کو اس طرح رغبت کے ساتھ اٹھا کر لیجانے والی لڑکی کون ہے ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک بستی میں اس لڑکی کے گھر گئے۔ اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس طرح مردہ مرغی اٹھا کر کیوں لائی ہے؟

جب بہت اصرار کیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ جو ہمارے گھر میں واحد کمانے والے تھے، میری والدہ بیوہ ہے۔ میں تنہا ہوں۔ اور لڑکی ذات ہوں۔ اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ ہم کئی روز سے اس حالت میں ہیں جس میں شریعت نے مردار کھانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ چنانچہ اس کوڑے کے ڈھیر میں جو کوئی مردار پھینک دیتا ہے۔ ہم اس کو کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔

بس یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارک کے دل پر چوٹ لگی، انہوں نے سوچا کہ یہ اللہ کے بندے تو اس حالت میں ہیں کہ مردار کھا کھا کر گزارہ کر رہے ہیں۔ اور میں حج پر جا رہا ہوں، چنانچہ اپنے معاون سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ میرے پاس شاید دو ہزار دینار ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ہمیں واپس گھر جانے کے لئے جتنے دینار کی ضرورت ہے۔ تقریباً بیس دینار، وہ رکھ لو، اور باقی سب اس لڑکی کو دے دو، اور اس سال ہم حج نہیں کرتے، اور ان دیناروں سے اس کے گھر والوں کو جو فائدہ ہو گا۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حج سے زیادہ اجر و ثواب اس پر عطا فرما دیں گے۔ یہ کہہ کر واپس چلے گے۔

غرض یہ کہ ایک دو نہیں بلکہ ایسے ایسے بے شمار فضائل اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے تھے کہ ہم لوگ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آپ کی دریا دلی کا ایک اور واقعہ

ایک اور واقعہ یاد آیا، جب کبھی یہ رقہ شہر میں جایا کرتے تھے تو ایک نوجوان ان سے آکر ملا کرتا تھا۔ اور آکر کبھی مسائل پوچھتا۔ کبھی دوسری باتیں آکر پوچھتا، ایک مرتبہ جب رقہ شہر جانا ہوا تو وہ نوجوان نہیں آیا۔ اور نہ اس نے آکر ملاقات کی، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ آکر ملاقات کیا کرتا تھا۔ وہ نظر نہیں آرہا ہے۔ وہ کہاں گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ اس پر قرضہ بہت ہو گیا تھا۔ اور جس شخص کا قرضہ تھا۔ اس نے اس کو گرفتار کرا دیا ہے، اس لئے وہ جیل میں ہے۔ ان کو بڑا دکھ ہوا، انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ کتنا قرضہ ہو گیا تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ دس ہزار دینار، پھر معلوم کیا کہ کس کا قرضہ تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص کا قرضہ تھا، چنانچہ آپ اس

شخص کی تلاش میں نکلے، اور پتہ پوچھتے پوچھتے اس کے گھر پہنچے۔ اور جاکر اس سے کہا کہ ہمارا ایک دوست ہے۔ تمہارا قرضہ اس کے ذمے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جیل میں ہے ۔۔۔ میں وہ قرضہ تمہیں ادا کر دیتا ہوں، لیکن ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ میرے سامنے وعدہ کرو۔ اور قسم کھاؤ کہ میرے جیتے جی اسکو یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ قرضہ کس نے ادا کیا ہے، چنانچہ اس نے قسم کھالی کہ میں نہیں بتاؤں گا، چنانچہ آپ نے دس ہزار دینار اس کو دے دیئے اور اسے کہا کہ اب اس کو رہا کرا دو۔ چنانچہ اس نے جیل جاکر اس کو رہا کرا دیا۔

جب وہ نوجوان جیل سے رہا ہو کر شہر میں آیا تو اس کو پتہ چلا کہ چند روز سے حضرت عبداللہ بن مبارک یہاں آئے ہوئے تھے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سے کب نکلے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ابھی نکلے ہیں۔ چنانچہ وہ نوجوان آپ کے پیچھے دوڑا، اور راستے میں آپ کو پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں نے سنا تھا کہ تم جیل میں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں، میں جیل میں تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے رہائی عطا فرما دی انہوں نے پوچھا کہ کیسے نکلے؟ اس نوجوان نے کہا کہ بس اللہ تعالیٰ نے غیب سے فرشتہ بھیج دیا۔ اس نے میرا قرضہ ادا کر دیا، اس لئے مجھے رہائی مل گئی۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کرو، اور میں بھی تمہارے لئے دعائیں کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہائی عطا فرما دے۔

وہ نوجوان بعد میں کہتے ہیں کہ ساری زندگی مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ میرا قرضہ ادا کرنے والے عبداللہ بن مبارک ہیں، اس لئے کہ اس شخص نے عبداللہ بن مبارک کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں آپ کی زندگی میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا، لیکن جب عبداللہ بن مبارک کی وفات ہو گئی، اس وقت اس شخص نے مجھے بتایا کہ تمہاری رہائی کا سبب در حقیقت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

(تاریخ بغداد: ۱۰/ ۱۵۹)

کتاب الزہد والرقائق

بہر حال۔ یہ اس مقام کے بزرگ ہیں کہ ہمیں ان کا نام لیتے ہوئے بھی شرم

آتی ہے۔ یہ کتاب جو ہم آج شروع کر رہے ہیں یہ انہیں کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ جس کا نام ہے "کتاب الزہد والرقائق" یعنی ان احادیث کا مجموعہ ہے۔ جن میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہد کی تلقین فرمائی ہے۔ اور جن کو پڑھنے سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، اور "رقائق" کے معنی وہ احادیث جن کے پڑھنے سے قلب میں گداز اور رقت پیدا ہوتی ہے۔ دل نرم ہوتے ہیں، غفلت دور ہوتی ہے، ایسی احادیث کو "رقائق" یا "رقاق" کہا جاتا ہے۔ تقریباً تمام محدثین ایسی احادیث پر ایک مستقل باب قائم کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے ان احادیث پر یہ مستقل کتاب لکھ دی ہے، ویسے "کتاب الزہد" کے نام سے دوسرے محدثین نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ، امام حمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ، ان سب کی کتابیں اس موضوع پر اس نام سے موجود ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ کی یہ کتاب سب سے زیادہ اس لئے مشہور ہوئی کہ اول تو یہ متقدمین میں سے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام کے اندر برکت عطا فرمائی تھی، ۔۔۔اس لئے خیال ہوا کہ ان کی یہ کتاب شروع کی جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمارے دلوں میں کچھ نرمی پیدا کر دے، یہ دنیا جو ہمارے دلوں پر چھائی ہوئی ہے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ آخرت کی کچھ فکر عطا فرمادیں۔ آمین۔

دو عظیم نعمتیں اور ان سے غفلت

اس کتاب میں احادیث بھی ہیں۔ اور صحابہ و تابعین کے کچھ آثار اور واقعات بھی ہیں۔ پہلی حدیث وہ مشہور حدیث ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ"

(بخاری، کتاب الرقائق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ حدیث نمبر ۶۰۴۹)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک نعمت صحت اور تندرستی ہے، اور دوسری

نعمت فراغت اور فرصت ہے یہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جب تک یہ نعمتیں حاصل رہتی ہیں، اس وقت تک انسان اس دھوکے میں پڑا رہتا ہے کہ یہ نعمتیں ہمیشہ باقی رہیں گی، چنانچہ جب تک تندرستی کا زمانہ ہے، اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی بیماری آئے گی۔ یا فراغت کا زمانہ ہے، اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی مصروفیت اتنی زیادہ ہو جائیگی ــ اس لئے جب اللہ تعالیٰ صحت عطا فرما دیتے ہیں یا فراغت عطا فرما دیتے ہیں وہ دھوکے میں اپنا وقت گزارتا رہتا ہے، اور اچھے کاموں کو ٹلاتا رہتا ہے، اور یہ سوچتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اصلاح سے محروم رہتا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان نعمتوں کی اسی وقت قدر پہچان لو، جب یہ حاصل ہوں ــ

صحت کی قدر کر لو

یہ صحت کی نعمت جو اس وقت حاصل ہے، کیا معلوم کہ کب تک یہ حاصل رہے گی، کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت بیماری آجائے، اور کیسی بیماری آجائے، لہذا نیکی اور خیر کے کام کو، اور اپنی اصلاح کے کام کو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے کام کو، آخرت کی فکر کو اسی زمانے کے اندر اختیار کر لو، کیا پتہ پھر موقع ملے یا نہ ملے،

ارے جب بیماری آتی ہے تو پہلے نوٹس دے کر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ بچائے ــ اچھا خاصا چنگا بھلا تندرست انسان ہے مگر بیٹھے بیٹھے کسی بیماری کا حملہ ہو گیا۔ اور اب چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہیں، اس لئے یہ زمانہ ٹلا کر نہ گزارو، بلکہ جو نیک کام کرنا ہے، وہ کر گزرو، یہ صحت اللہ تعالیٰ نے اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس کو اس عالم کے لئے استعمال کرو جو مرنے کے بعد آنے والا ہے، لیکن اگر تم نے اس صحت کو گنوا دیا۔ اور بیماری آگئی، تو پھر عمر بھر سر پکڑ کر روگے، اور حسرت اور افسوس میں مبتلا ہو گے کہ کاش، اس صحت کے عالم میں کچھ کام کر لیا ہوتا، لیکن اس وقت حسرت اور افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اس لئے ان نعمتوں کی قدر کرو۔

صرف ایک حدیث پر عمل

یہ حدیث جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے یہ "جوامع الکلم" میں سے ہے، اور غالباً امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چند حدیثیں ایسی ہیں کہ اگر انسان صرف ان چند حدیثوں پر عمل کرلے تو اس کی آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اس حدیث سے شروع فرمائی ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح بخاری میں "کتاب الرقاق" کو اسی حدیث سے شروع فرمایا ہے، اس لئے کہ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہلے سے تنبیہ فرما رہے ہیں۔۔۔ بعد میں تنبیہ تو خود ہو جاتی ہے، لیکن وہ تنبیہ اس وقت ہوتی ہے، جب تدارک کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں، اور ہماری نفسیات اور رگوں سے واقف ہیں۔ وہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو، اس وقت جو تمہیں صحت اور فراغت کا جو عالم میسر ہے۔ پھر بعد میں رہے یا نہ رہے۔ اس سے پہلے کہ حسرت کا وقت آجائے۔ اس کو کام میں لگالو۔

"ابھی تو جوان ہیں" شیطانی دھوکہ ہے

یہ "نفس" انسان کو دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ میاں۔ ابھی تو جوان ہیں، ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ ہم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، ابھی تو ذرا مزے اڑالیں۔ پھر جب موقع آئے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے، اور اس وقت اصلاح کی فکر کرلیں گے ابھی کیا رکھا ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نفس و شیطان کے اس دھوکے میں نہ آؤ، جو کچھ کرنا ہے۔ کر گزرو، اس لئے کہ یہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے، یہ بڑی دولت ہے، عمر کے یہ لمحات جو اس وقت انسان کو میسر ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اس کو برباد اور ضائع نہ کرو، بلکہ اس کو آخرت کے لئے استعمال کرو۔

کیا ہم نے اتنی عمر نہیں دی تھی

قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب انسان آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ ہمیں ایک مرتبہ اور دنیا میں بھیج دیں، ہم نیک عمل کریں گے، تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے۔

"اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ"

(سورہ فاطر۔ ۳۷)

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا، صرف یہ نہیں کہ عمر دے کر تم کو ویسے ہی چھوڑ دیا، بلکہ تمہارے پاس ڈرانے والے تنبیہ کرنے والے بھیجتے رہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام بھیجے، اور آخر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور وارثین تمہیں مسلسل جھنجوڑتے رہے، اور تمہیں غفلت سے بیدار کرتے رہے اور آکر یہ کہتے رہے کہ خدا کے لئے اس وقت کو کام میں لگالو۔

ڈرانے والے کون ہیں؟

"ڈرانے والے" کی تفسیر مفسرین نے مختلف فرمائی ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین ہیں، جو لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد "سفید بال" ہیں یعنی جب سفید بال آگئے تو سمجھ لو کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آگیا، کہ اب وقت آنے والا ہے۔ تیار ہو جاؤ، اور اب بھی اپنی سابقہ زندگی سے تائب ہو جاؤ، اور اپنے حالات کی اصلاح کر لو، اس لئے کہ "سفید بال" آگئے ہیں ــ اور بعض مفسرین نے اس کی تفسیر "پوتے" سے کی ہے "یعنی جب کسی کا پوتا پیدا ہو جائے، اور وہ دادا بن جائے، تو وہ پوتا ڈرانے والا ہے اس بات سے کہ بڑے میاں تمہارا وقت آنے والا ہے، اب ہمارے لئے جگہ خالی کرو۔

ملک الموت سے مکالمہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ سنا کہ کسی شخص کی ملک الموت سے ملاقات ہو گئی۔ اس شخص نے ملک الموت سے شکایت کی آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے دنیا میں کسی کو پکڑا جاتا ہے۔ تو دنیا کی عدالتوں کا قانون یہ ہے، کہ پہلے اس کے پاس نوٹس بھیجتے ہیں کہ تمہارے خلاف یہ مقدمہ قائم ہو گیا ہے، تم اس کی جواب دہی کے لئے تیاری کرو، لیکن آپ کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ جب چاہتے ہیں، بغیر نوٹس کے آدھمکتے ہیں، بیٹھے بیٹھائے پہنچ گئے۔ اور روح قبض کر لی — یہ کیا معاملہ ہے؟ — ملک الموت نے جواب دیا کہ میاں۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اتنے نوٹس نہیں بھیجتا، لیکن میں کیا کروں۔ تم میرے نوٹس کا نوٹس نہیں لیتے، اس کی پرواہ نہیں کرتے، ارے جب تمہیں بخار آتا ہے۔ وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، جب تمہیں کوئی بیماری آتی ہے، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے۔ جب تمہارے سفید بال آتے ہیں۔ وہ میرا نوٹس ہوتا ہے، تمہارے پوتے آتے ہیں، وہ میرا نوٹس ہوتا ہے۔ میں تو اتنے نوٹس بھیجتا ہوں کہ کوئی حد و حساب نہیں۔ مگر تم کان کا [illegible] —

بہر حال، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ بس اس سے کہ وہ حسرت کا وقت آئے خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھال لو اور اس صحت کے وقت کو، اور اس فراغت کے وقت کو کام میں لے آؤ، خدا جانے کل کیا عالم پیش آئے۔

جو کرنا ہے ابھی کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ہم لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ میاں نے تمہیں جوانی دی ہے۔ صحت دی ہے، فراغت دی ہے اس کو کام میں لے لو اور جو کچھ کرنا ہے۔ اس وقت کر لو۔ عبادتیں اس وقت کر لو۔ اللہ کا ذکر اس وقت کر لو، اس وقت گناہوں سے بچ جاؤ، پھر جب بیمار ہو جاؤ گے یا ضعیف ہو جاؤ گے تو اس وقت کچھ بن نہیں پڑے گا، اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

ابھی تو ان کی آہٹ پر میں آنکھیں کھول دیتا ہوں
وہ کیسا وقت ہوگا جب نہ ہوگا یہ بھی امکان میں

اس وقت اگر دل بھی چاہے گا کہ آخرت کا کچھ سامان کرلوں، لیکن اس وقت ممکن نہیں ہوگا۔ کر نہیں سکو گے۔

دو رکعت کی حسرت ہوگی

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر پر تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک قبر کو دیکھا تو وہاں پر سواری سے اتر گئے اور اتر کر دو رکعت نفل پڑھی، اور پھر سواری پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئے ... ساتھ میں جو حضرات تھے، انہوں نے سمجھا کہ شاید کسی خاص آدمی کی قبر ہے۔ اس لئے یہاں اتر کر دو رکعت پڑھ لیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ حضرت، کیا بات ہے۔؟ آپ یہاں کیوں اترے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ جب میں یہاں سے گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ ان کا عمل منقطع ہو چکا ہے، اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ لوگ قبروں کے اندر اس بات کی حسرت کرتے ہیں کہ کاش کہ ہمیں اتنا موقع اور مل جائے کہ ہم دو رکعتیں اور پڑھ لیں۔ اور ہماری نیکیوں میں اور ہمارے اعمال میں دو رکعت نفل کا اور اضافہ ہو جائے۔ لیکن اس حسرت کے باوجود ان کے پاس نفل پڑھنے کا موقع نہیں ہوتا تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دے رکھا ہے، اس لئے چلو میں جلدی سے دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ اس لئے میں نے اتر کر دو رکعت نفل پڑھ لیں۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ جن کو یہ فکر عطا فرماتے ہیں وہ اپنے ایک ایک لمحے کو اس طرح کام میں لاتے ہیں۔

نیکیوں سے میزان عمل بھر لو

یہ وقت کے لمحات بڑے قیمتی ہیں، اسی واسطے کہا گیا کہ موت کی تمنا نہ کرو، اس لئے کہ کیا معلوم کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے۔
ارے جو کچھ فرصت اور مہلت اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہے، سب کچھ اسی میں ہونا

ہے۔ آگے جاکے کچھ نہیں ہو گا، اس لئے اس دنیا میں جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، اس کو غنیمت سمجھو، اور اس کو کام میں لے لو۔ مثلاً ایک لمحہ میں اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ دو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے میزان عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، اور ایک مرتبہ "الحمد اللہ" کہہ دیا تو اب میزان عمل کا پورا پلڑا بھر گیا، دیکھئے یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں۔ لیکن تم اس کو گنواتے پھر رہے ہو، خدا کے لئے اس کو اس کام میں استعمال کر لو۔

(کنزالعمال، حدیث نمبر ۲۰۱۸)

حافظ ابن حجرا اور وقت کی قدر

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں اور بخاری شریف کے شارح ہیں، اور علم کے پہاڑ ہیں، عمل کے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنچایا تھا۔ آج انسان اس مقام کا تصور بھی نہیں کر سکتا، عالم اور مصنف اور محدث کے نام سے مشہور ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت تصنیف کر رہے ہوتے تو کتاب لکھتے لکھتے جب قلم کا قط خراب ہو جاتا۔ اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے، اور بار بار اس کا قط بنانا پڑتا تھا۔ تو اس کو چاقو سے دوبارہ درست کرنا پڑتا تھا۔ اور اس میں تھوڑا سا وقت لگتا تو یہ وقت بھی بیکار گزارنا گوارہ نہیں تھا، چنانچہ جتنا وقت قط لگانے میں گزرتا۔ اتنی دیر تیسرا کلمہ "سبحان اللہ والحمد اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتے رہتے تھے۔ تاکہ یہ وقت بھی ضائع نہ جائے۔ اس لئے کہ جو وقت تصنیف کرنے میں گزر رہا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں گزر رہا ہے۔ لیکن جو چند لمحات ملے ہیں۔ اس کو کیوں ضائع کریں۔ اور اس میں تیسرا کلمہ پڑھ لیں۔ تاکہ یہ لمحات بھی بیکار نہ جائیں۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ وقت کی قدر پہچانیں۔

حضرت مفتی صاحب اور وقت کی قدر

آج ہمارے ماحول میں سب سے زیادہ بے قدر اور بے وقت چیز وقت ہے۔ اس کو جس طرح چاہا گنوا دیا۔ گپ شپ میں گزار دیا۔ یا فضولیات میں گزار دیا۔ یا بلاوجہ ایسے کام کے اندر گزار دیا جس میں نہ دنیا کا نفع نہ دین کا نفع ـــ میرے والد ماجد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے وقت کو تول تول کر خرچ کرتا ہوں، تاکہ کوئی لمحہ بیکار نہ گزرے۔ یا دین کے کام میں گزرے۔ یا دنیا کے کام میں گزرے۔ اور دنیا کے کام میں بھی اگر نیت صحیح ہو تو وہ بھی بالآخر دین ہی کا کام بن جاتا ہے ـــ اور ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ بات تو ہے ذرا شرم کی سی، لیکن تمہیں سمجھانے کے لئے کہتا ہوں، کہ جب انسان بیت الخلا میں بیٹھا ہوتا ہے۔ تو وہ وقت ایسا ہے کہ اس میں نہ تو انسان ذکر کر سکتا ہے، اس لئے کہ ذکر کرنا منع ہے۔ اور نہ کوئی اور کام کر سکتا ہے، اور میری طبیعت ایسی بن گئی ہے کہ جو وقت وہاں بیکاری میں گزرتا ہے۔ وہ بہت بھاری ہوتا ہے۔ کہ اس میں کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے اس وقت کے اندر میں بیت الخلا کے لوٹے کو دھو لیتا ہوں۔ تاکہ یہ وقت بھی کسی کام میں لگ جائے، اور تاکہ جب بعد میں دوسرا آدمی آکر اس لوٹے کو استعمال کرے تو اس کو گندا اور برا معلوم نہ ہو،

اور فرمایا کرتے تھے کہ پہلے سے سوچ لیتا ہوں کہ فلاں وقت میں مجھے پانچ منٹ ملیں گے، اس پانچ منٹ میں کیا کام کرنا ہے؟ یا کھانا کھانے کے فوراً بعد پڑھنا لکھنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ دس منٹ کا وقفہ ہونا چاہئے تو میں پہلے سے سوچ کر رکھتا ہوں کہ کھانے کے بعد یہ دس منٹ فلاں کام میں صرف کرنے ہیں، چنانچہ اس وقت میں وہ کام کر لیتا ہوں،

جن حضرات نے میرے والد ماجد رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے، انہوں نے دیکھا ہو گا کہ آپ کار کے اندر سفر بھی کر رہے ہیں اور قلم بھی چل رہا ہے، اور بلکہ میں نے تو ان کو رکشہ کے اندر سفر کے دوران بھی لکھتے ہوئے دیکھا ہے، جس میں جھٹکے بھی بہت لگتے ہیں، اور ایک جملہ بڑے کام کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جو سب کے لئے یاد رکھنے کا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فرماتے تھے کہ

دیکھو،

کام کرنے کا بہترین گُر

جس کام کو فرصت کے انتظار میں رکھا وہ ٹل گیا، یعنی جس کو اس انتظار میں رکھا کہ جب فرصت ملے گی تب کریں گے، وہ ٹل گیا۔ وہ کام پھر نہیں ہو گا۔ کام کرنے کا راستہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی اس کے اندر داخل کر دو، تو وہ کام ہو جائیگا۔ میں تو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مند ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ آپ کا فرمایا ہوا یہ جملہ ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے، اور آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ واقعی جس کام کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ فرصت ملے گی تو کریں گے، وہ کام کبھی نہیں ہوتا، اس لئے کہ حوادث روز گار ایسے ہیں کہ پھر وہ موقع دیتے ہیں ہی نہیں، ہاں جس کام کی انسان کے دل میں اہمیت ہوتی ہے، انسان اس کام کو کر ہی گزرتا ہے، زبردستی کر لیتا ہے، چاہے وقت ملے یا نہ ملے۔

کیا پھر بھی نفس سستی کریگا؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو، وقت کو کام میں لگانے کا طریقہ سن لو، مثلاً تمہیں یہ خیال ہوا کہ فلاں وقت میں تلاوت کریں گے، یا نفل نماز پڑھیں گے، لیکن جب وہ وقت آیا تو اب طبیعت میں سستی ہو رہی ہے۔ اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو۔ اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے۔ اور بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام، یا بہت بڑا منصب یا بہت بڑا عہدہ، یا بہت بڑی ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ۔ بتاؤ کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم یہ جواب دے دو گے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا، اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے۔ کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے، بادشاہ کا

یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی کاہلی اور نیند دور ہو جائیگی اور خوشی کے مارے فوراً اس انعام کو لینے کے لئے بھاگ کھڑا ہو گا، کہ مجھے اتنا بڑا انعام ملنے والا ہے ــ

لہٰذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر نہیں ہے، اگر حقیقت میں واقعۃً اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو اس وقت نہ جاتے، اور بلکہ بستر پر پڑے رہتے، لہٰذا یہ تصور کرو کہ دنیا کا ایک سربراہ حکومت جو بالکل عاجز، در عاجز، در عاجز ہے، وہ اگر تمہیں ایک منصب کے لئے بلا رہا ہے تو اس کے لئے اتنا بھاگ رہے ہو لیکن وہ احکم الحاکمین، جس کے قبضہ و قدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہ ہے چھیننے والا وہ ہے، اس کی طرف سے بلاوا آرہا ہے۔ تو تم اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ ــ اس تصور سے انشاء اللہ ہمت پیدا ہو گی، اور وہ وقت جو بیکار جا رہا ہے۔ وہ انشاء اللہ کام میں لگ جائے گا۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضہ پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کر کے لذت حاصل کروں، تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا، ؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھو نگا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھو نگا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہو گا تو میں اپنی نظر نیچی کر لو نگا۔ اور یہ کام نہیں کرو نگا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضہ پیدا کیوں نہ ہو ــ

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری اس حالت کو جو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے۔ اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی

برکت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلا دی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ :اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے، تو چلو ہم تمہیں جہنم سے بچالیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے۔ اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہونگے، تمہاری اولاد ہوگی تمہارے شاگرد ہونگے، تمہارے استاذ ہونگے۔ تمہارے دوست احباب ہونگے۔ اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا جائیگا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارہ کرلے گا، مگر اس بات کو گوارہ نہیں کریگا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے ...... لہذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز و اقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں۔ تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارہ کرلو گے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

کل پر مت ٹالو

بہرحال، یہ حدیث جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی یہ بڑے کام کی حدیث ہے، اور لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے کہ عمر کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے، جو وقت اس وقت ملا ہوا ہے۔ اس کو ٹلاؤ نہیں۔ اور یہ جو انسان سوچتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے، وہ کل پھر آتی نہیں، جو کام کرنا ہے۔ وہ ابھی اور آج ہی شروع کردو، بلا تاخیر شروع کردو۔ کیا پتہ کہ کل آئے یا نہ آئے۔ کیا پتہ کہ کل کو یہ

داعیہ موجود رہے یا نہ رہے، کیا پتہ کہ کل کو حالات ساز گار رہیں یا نہ رہیں، کیا پتہ کہ کل کو قدرت رہے یا نہ رہے۔ اور کیا پتہ کہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے، ـــ اس لئے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

"وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ،

(سورہ آل عمران: ۱۳۳)

یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر نہ کرو، اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین ہے۔

نیک کام میں جلد بازی پسندیدہ ہے

جلد بازی ویسے تو کوئی اچھی چیز نہیں۔ لیکن نیکی کے کام میں جلدی کرنا اور جس نیکی کا خیال دل میں پیدا ہوا ہے، اس نیکی کو کر گزرنا، یہ اچھی بات ہے۔ اور "مسارعت" کے معنی ہیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، ریس کرو، مقابلہ کرو، اگر دوسرا آگے بڑھ رہا ہے تو میں اس سے اور آگے بڑھ جاؤں۔ اور اسی کام کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں یہ وقت عطا فرمایا ہے، اس حدیث کو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اتار دے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین۔ آج ہم لوگوں نے اپنے آپ کو غفلت اور بے فکری میں مبتلا کیا ہوا ہے چوبیس گھنٹے کے سوچ بچار میں آخرت کی فکر اور آخرت کا دھیان بہت کم آتا ہے۔ غفلت میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں ـــ اس مضمون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ

پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو

عن عمرو بن میمون الاودی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال:
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرجل وھو یعظه: اغتنم خمسا قبل خمس، شبابك قبل ھرمك، وصحتك قبل سقمك، وغناك قبل فقرك، وفراغك قبل شغلك وحياتك قبل موتك"

(مشکاۃ کتاب الرقاق رقم ۵۹۸۷)

عمر بن میمون اودی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو، اور بیماری سے پہلے صحت کو غنیمت سمجھو، اور اپنی مالداری کو محتاجی سے پہلے غنیمت سمجھو، اور فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو،

جوانی کی قدر کر لو

مطلب یہ ہے یہ پانچوں ایسی ہیں کہ ان کا خاتمہ ہونے والا ہے اس وقت جوانی ہے، لیکن جوانی کے بعد بڑھاپا آنے والا ہے، یہ جوانی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے، بلکہ یا تو اس کے بعد بڑھاپا آئیگا۔ یا موت آئیگی، تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس لئے اس بڑھاپے سے پہلے اس جوانی کو غنیمت سمجھو۔ یہ قوت اور توانائی، اور صحت اللہ تعالیٰ نے اس وقت عطا فرمائی ہے، اس کو غنیمت سمجھ کر اچھے کام میں لگالو۔۔۔ بڑھاپے میں تو یہ حال ہو جاتا ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت، اس وقت کیا کرو گے جب ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکو گے، شیخ سعدی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ ۔

وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ کھا ہی نہیں سکتا، طاقت ہی نہ رہی، اب کس کو کھائیگا۔ ارے جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے، اس لئے فرمایا کہ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو۔

صحت، مالداری اور فرصت کی قدر کرو

اس وقت صحت ہے، لیکن یاد رکھو، کوئی انسان دنیا کے اندر ایسا نہیں ہے کہ صحت کے بعد اس کو بیماری نہ آئے۔ بیماری ضرور آئیگی۔ لیکن پتہ نہیں کب آجائے، اس لئے اس سے پہلے اس موجودہ صحت کو غنیمت سمجھ لو۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے مالی فراغت اور مالداری عطا فرمائی ہے، کچھ پتہ نہیں کہ یہ کب تک کی ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے حالات بدل گئے ہیں، اچھے خاصے امیر کبیر تھے، مگر اب فقیر ہو گئے۔ خدا جانے کب کیا حال پیش آجائے، اس وقت کے آنے سے پہلے اس مالداری کو غنیمت سمجھو اور اس کو اپنی آخرت سنوارنے کے لئے استعمال کر لو۔

اور اپنی فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، یعنی فرصت کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ یہ ہمیشہ باقی رہیں گے، کبھی نہ کبھی مشغولی ضرور آئیگی۔ اس لئے اس فرصت کو صحیح کام میں لگا لو۔ اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔

صبح کو یہ دعائیں کر لو

اور اس زندگی کے اوقات کو کام میں لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی صبح سے شام تک کی زندگی کا نظام الاوقات بناؤ، اور پھر اس کا جائزہ لو کہ میں کیا کیا کر رہا ہوں، اور میں اعمال خیر کے اندر کیا کیا اضافہ کر سکتا ہوں۔ ان کا اضافہ کرو۔ اور میں کن کن گناہوں کے اندر مبتلا ہوں ان کو چھوڑو، اور صبح کو نماز پڑھ کے یہ دعا مانگا کرو کہ یا اللہ یہ دن آنے والا ہے میں باہر نکلوں گا۔ خدا جانے کیا حالات پیش آئیں۔ یا اللہ میں اس کا ارادہ کر رہا ہوں کہ آج کے دن کو آخرت کے لئے ذخیرہ بناؤں گا، اے اللہ، مجھے اس کی توفیق عطا فرما۔۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان دعاؤں کو یاد کر لینا چاہئے، اور صبح کو وہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئے، چنانچہ آپ دعا فرماتے:

اللھم انی اسألک خیر ما فی ھذا الیوم وخیر ما بعدہ

اللھم انی اعوذ بک من شر ما فی ھذا الیوم وشر ما بعدہ۔

(ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء اذا اصبح۔)

اللھم انی اسئلک خیر ھذا الیوم و فتحہ ونصرہ ونورہ و برکتہ وھداہ۔

(ابو داؤد و کتاب الادب ، باب مایقول اذا اصبح، حدیث نمبر ۴۹۲۰)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ایسی دعائیں بتا گئے کہ دین و دنیا کی کوئی حاجت نہیں چھوڑی، جن کو یہ دعائیں یاد ہوں، وہ صبح کے وقت ان دعاؤں کو پڑھ لے۔ اور جن کو یہ دعائیں یاد نہ ہوں، وہ اردو میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لے کہ یا اللہ، یہ دن شروع کر رہا ہوں، اور یہ ارادہ کر رہا ہوں کہ اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو صحیح استعمال کرونگا، غلط استعمال اور بے فائدہ ضائع کرنے سے بچاؤ نگا، میں تو ارادہ کر رہا ہوں، لیکن یا اللہ، میں کیا، اور میرا ارادہ کیا، میرا عزم کیا۔ میری ہمت اور میرے حوصلے کی کیا حقیقت ہے، عزم دینے والے بھی آپ ہیں، ہمت دینے والے بھی آپ ہیں، حوصلہ دینے والے بھی آپ ہیں۔ آپ ہی اپنے فضل سے مجھے ایسے راستے پر لگا دیجئے، ایسے حالات پیدا فرمادیجئے کہ میں اس دن کے چوبیس گھنٹوں کو آپ کی مرضی کے مطابق صرف کر دوں ــ بس صبح اٹھ کر روزانہ یہ دعا مانگ لیا کرو، انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس دن کے اوقات کو ضائع ہونے سے بچالیں گے۔

آگے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری کے دو قول نقل فرماتے ہیں :

عن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ انہ کان یقول : ادرکت اقواما کان احدھم اشح علی عمرہ منہ علی دراھمہ ودنانیرہ

وعن الحسن انہ کان یقول : ابن آدم، ایاك و التسویف، فانك بیومك و لست بغد، وان یکن غد لك فکس فی غد کما کست فی الیوم و الا یکن لك لم تندم علیٰ ما فرطت فی الیوم۔

(کتاب الزھد والرقائق ص ۴)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اور ہمارے مشائخ اور طریقت کے جتنے سلسلے ہیں۔ ان سب کی انتہا حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ پر ہوتی ہے، یعنی ابتداء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اس کے بعد

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ چنانچہ جو حضرات شجرہ پڑھتے ہیں، ان کو معلوم ہو گا کہ اس میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی آتا ہے۔ اس طرح ہم سب ان کے احسان مند ہیں۔ ہم سب کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں، اس لئے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطافرمایا ہے۔ وہ انہی بزرگوں کے واسطے سے عطافرمایا ہے، بہرحال یہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔

وقت سونا چاندی سے زیادہ قیمتی ہے

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ان کے دو قول نقل کئے ہیں، پہلے قول میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے۔ "لوگوں" سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ اس لئے کہ یہ خود تابعین میں سے ہیں، اس لئے ان کے اساتذہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے اور ان لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے جن کا اپنے عمر کے لمحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی کے دراہم اور دینار سے کہیں زیادہ تھا۔ یعنی جس طرح عام آمی کی طبیعت سونے چاندی کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی آجائے۔ تو وہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے۔ اور اس کو بے جگہ رکھنے سے پرہیز کرتا ہے۔ تاکہ کہیں چوری نہ ہو جائے، یا ضائع نہ ہو جائے۔ اس طرح یہ وہ لوگ تھے جو سونے چاندی سے کہیں زیادہ اپنی عمر کے لمحات کی حفاظت کرتے تھے، اس لئے کہ زندگی کا ایک لمحہ سونے چاندی کی اشرفیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کا کوئی لمحہ کسی بیکار کام میں، یا ناجائز کام میں، یا غلط کام میں صرف ہو جائے۔ وہ لوگ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے تھے کہ عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطافرمائے ہیں۔ یہ بڑی عظیم نعمت ہے کہ اس کی کوئی حدو حساب نہیں، اور یہ نعمت کب تک حاصل رہے گی؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے اس کو خرچ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔

دو رکعت نفل کی قدر

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزر رہے تھے۔ تو اس وقت صحابہ جو ساتھ تھے۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دو رکعت نفل کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو۔ اور ان کو تم بہت معمولی سمجھتے ہو۔ لیکن یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک یہ دو رکعت نفل ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہ یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں دو منٹ اور مل جاتے تو میں اس میں دو رکعت نفل اور پڑھ لیتا۔ اور اپنے نامہ اعمال میں اضافہ کر لیتا۔

مقبرے سے آواز آرہی ہے

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کہی ہوئی ایک نظم پڑھنے کے قابل ہے۔ جو اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے۔ "مقبرے کی آواز" جیسا کہ ایک شاعرانہ تخیل ہوتا ہے کہ ایک قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ تو وہ قبر والا گزرنے والے کو آواز دے رہا ہے۔ چنانچہ وہ نظم اس طرح شروع کی ہے:

مقبرے پر گزرنے والے سن
ٹھہر، ہم پر گزرنے والے سن

ہم بھی ایک دن زمیں پر چلتے تھے
باتوں میں ہم مچلتے تھے

یہ کہہ کر اس نے زبان حال سے اپنی داستان سنائی ہے کہ ہم بھی اس دنیا کے ایک فرد تھے۔ تمہاری طرح کھاتے پیتے تھے۔ لیکن ساری زندگی میں ہم نے جو کچھ کمایا، اس میں سے ایک ذرہ بھی ہمارے ساتھ نہیں آیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کچھ نیک عمل کرنے کی توفیق ہو گئی تھی۔ وہ تو ساتھ آگیا، لیکن باقی کوئی چیز ساتھ نہ

آئی۔ اس لئے وہ گزرنے والے کو نصیحت کر رہا ہے کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم فاتحہ کو ترستے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ آکر ہم پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ایصال ثواب کر دے، اور اے گزرنے والے، تجھے ابھی تک زندگی کے یہ لمحات میسر ہیں۔ جنہیں ہم ترس رہے ہیں۔

صرف "عمل" ساتھ جائے گا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کے کیا عجیب و غریب انداز ہیں۔ کس کس طریقے سے اپنی امت کو سمجھایا ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مردے کو قبرستان لے جایا جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ ایک اس کے عزیز و اقارب، اور رشتہ دار، جو اس کو چھوڑنے کیلئے قبر تک جاتے ہیں۔ دوسرے اس کا مال، مثلاً چارپائی، کفن وغیرہ۔ اور تیسرے اس کا عمل، اور پھر پہلی دو چیزیں۔ یعنی رشتہ دار، اور مال قبر تک اس کو پہنچانے کے بعد واپس آجاتے ہیں۔ لیکن آگے جو چیز اس کے ساتھ جاتی ہے۔ وہ صرف اس کا عمل ہے۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت)

کسی نے خوب کہا ہے ؎

شکریہ اے قبر تک پہنچانے والو شکریہ
اب اکیلے ہی چلے جائیں گے اس منزل سے ہم

وہاں کوئی نہیں جائے گا۔ بہر حال اس "مقبرے کی آواز" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ سبق دیا کہ جب بھی کسی قبر کے پاس سے گزرو، ذرا سی دیر کیلئے یہ سوچ لیا کرو کہ یہ بھی ہماری طرح ایک انسان تھا۔ اور ہماری طرح اس کو بھی زندگی میسر تھی۔ اس کا بھی مال تھا، دولت تھی۔ اس کے بھی عزیز و رشتہ دار تھے۔ اس کے بھی چاہنے والے تھے۔ اس کی بھی خواہشات تھیں۔ اس کے بھی جذبات تھے، مگر آج وہ سب رخصت ہو چکیں، ہاں اگر کوئی چیز اس کے ساتھ ہے۔ تو وہ صرف اس کا عمل ہے۔ اور اب یہ چند لمحات کو ترس رہا ہے کہ اگر چند لمحات مجھے مل جائیں تو میں اپنی نیکیوں میں اضافہ کر لوں۔

موت کی تمنا مت کرو

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی موت کی تمنا نہ کرو، چاہے تم کتنی ہی مصیبتوں اور تکلیفوں میں ہو، اس وقت بھی یہ دعا نہ کرو کہ یا اللہ، مجھے موت دے دے۔ اس لئے کہ اگرچہ تم تکلیفوں میں گھرے ہوئے ہو۔ لیکن عمر کے یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں۔ اس میں پتہ نہیں کہ کس وقت کس نیکی کی توفیق ہو جائے۔ اور پھر اس نیکی کے عوض اللہ تعالیٰ کے یہاں بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے کبھی موت کی تمنا نہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، یہ دعا کرو کہ یا اللہ، آپ نے زندگی کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں۔ ان کو نیک کاموں میں اور اپنی رضا کے کاموں میں صرف فرما دے۔

حضرت میاں صاحب کا کشف

حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے، اور بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے میرے استاد مولانا فضل محمد صاحب مدظلہم سوات میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، آمین۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت میاں صاحب قدس اللہ سرہ حج سے واپس تشریف لائے، ہم اس وقت طالب علم تھے۔ اور دار العلوم دیوبند میں پڑھتے تھے، طلبہ میں سے ایک طالب علم نے کہا میاں صاحب حج کر کے آئے ہیں۔ چلو ان کے یہاں جا کر کھجوریں کھائیں گے۔ گویا کہ اس نے حضرت میاں صاحب کے پاس جانے کی وجہ یہ بیان کی کہ وہاں کھجوریں ملیں گی، ہمیں یہ بات بری لگی کہ یہ طالب علم میاں صاحب کے پاس صرف کھجور کھانے کیلئے جانا چاہتا ہے، حالانکہ وہ تو اتنے بڑے بزرگ ہیں اور حج کر کے آئے ہیں ان سے تو جا کر دعائیں لینی چاہئے۔ چنانچہ ہم چھ سات طلبہ ان سے ملاقات کیلئے چلے۔ جب میاں صاحب کے گھر پہنچے اور ان کو جا کر سلام کیا تو میاں صاحب نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ صاحب تو کھجوریں کھانے آئے ہیں، ان کو تو کھجوریں دے کر

رخصت کر دو۔ اور باقی طلبہ کو اندر بلالو۔۔ ایسے صاحب کشف بزرگ تھے۔

زیادہ باتوں سے بچنے کا طریقہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولوی شفیع صاحب آج ہم آپس میں عربی میں بات کریں گے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ آج تک تو کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ آج معلوم نہیں کیا بات ہو گئی، میں نے پوچھا کہ کیوں؟ کوئی وجہ تو بتایئے؟ فرمایا کہ جب ہم آپس میں بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات فضول ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ زبان قابو میں نہیں رہتی، اور نہ بے تکلف عربی/تم بول سکتے ہو، اور نہ میں بول سکتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ صرف ضرورت کی بات ہو گی، بے ضرورت بات نہ ہو گی،

ہماری مثال

پھر فرمایا کہ ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو بہت مال و دولت، سونا چاندی لیکر سفر پر روانہ ہوا تھا۔ اور پھر وہ سارا مال و دولت اور سونا چاندی راستے میں خرچ ہو گیا۔ اور اب صرف چند سکے باقی رہ گئے۔ اور سفر لمبا ہے۔ اس لئے اب ان چند سکوں کو بہت دیکھ بھال کر بہت احتیاط سے خرچ کرتا ہے۔ تاکہ وہ سکے بے جا خرچ نہ ہو جائیں۔۔ پھر فرمایا کہ ہماری بہت بڑی عمر تو بہت سے فضول کاموں میں گزر گئی۔ اور اب چند لمحات باقی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی کسی بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں۔۔ یہ وہی بات ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔۔ حقیقت یہ ہے کہ دیوبند میں اللہ تعالیٰ نے جو علماء پیدا فرمائے تھے انہوں نے صحابہ کرام کی یادیں تازہ کر دیں۔

حضرت تھانوی اور وقت کی قدر

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ — اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین — فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ مرض الموت میں جب بیمار اور صاحب فراش تھے، اور معالجوں اور ڈاکٹروں نے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا۔ اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیادہ بات نہ کریں — ایک دن آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی۔ اور فرمایا کہ بھائی۔ مولوی محمد شفیع صاحب کو بلاؤ۔ چنانچہ بلایا گیا، جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ آپ "احکام القرآن" لکھ رہے ہیں، مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی جو فلاں آیت ہے، اس سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے، اور یہ مسئلہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھا، میں نے آپ کو اس لئے بتا دیا کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلے کو بھی لکھ لیجئے گا یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتا دیا۔ جب بار بار ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے۔ اور حضرت تھانویؒ سے بھی بے تکلف تھے۔ انہوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت، ڈاکٹروں اور حکیموں نے بات چیت کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ مگر آپ لوگوں کو بار بار بلا کر ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ خدا کیلئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں — ان کے جواب میں حضرت والا نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ:

> وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں، اگر
> کسی کی خدمت کے اندر عمر گزر جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

حضرت تھانوی اور نظام الاوقات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صبح سے لیکر شام تک پورا نظام الاوقات مقرر تھا، یہاں تک کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد اپنی ازواج کے پاس

تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے پاس عصر کے بعد عدل و انصاف کے ساتھ ان کی خیرو خبر لینے کیلئے اور ان سے بات چیت کیلئے جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی در حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی، حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ایک ایک کر کے تمام ازواج مطہرات کے پاس ان کی خبر گیری کیلئے تشریف لے جاتے تھے، اور یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔ اب دیکھئے کہ دنیا کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ جہاد بھی ہو رہے ہیں، تعلیم بھی ہو رہی ہے۔ تدریس بھی ہو رہی ہے۔ دین کے سارے کام بھی ہو رہے ہیں۔ اور ساتھ میں ازواج مطہرات کے پاس جا کر ان کی دل جوئی بھی ہو رہی ہے۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ڈھالا ہوا تھا۔ اور اسی اتباع سنت میں آپ بھی عصر کے بعد اپنی دونوں بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ لیکن وقت مقرر تھا۔ مثلاً پندرہ منٹ ایک بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ اور پندرہ منٹ دوسری بیوی کے پاس بیٹھیں گے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ گھڑی دیکھ کر داخل ہوتے۔ اور گھڑی دیکھ کر باہر نکل آتے۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پندرہ منٹ کے بجائے سولہ منٹ ہو جائیں۔ یا چودہ منٹ ہو جائیں، بلکہ انصاف کے تقاضے کے مطابق پورے پندرہ پندرہ منٹ تک دونوں کے پاس تشریف رکھتے، تول تول کر، ایک منٹ کا حساب رکھ کر خرچ کیا جا رہا ہے۔

دیکھئے، اللہ تعالیٰ نے وقت کی جو نعمت عطا فرمائی ہے۔ اس کو اس طرح ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بڑی زبردست دولت دی ہے، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اور یہ دولت جا رہی ہے۔ یہ پگھل رہی ہے۔ کسی نے خوب کہا کہ:

ے ہو رہی ہے عمر مثل برف کم
چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم

جس طرح برف ہر لمحے پگھلتی رہتی ہے، اسی طرح انسان کی عمر ہر لمحے پگھل رہی ہے، اور جا رہی ہے۔

"سال گرہ" کی حقیقت

جب عمر کا ایک سال گزر جاتا ہے تو لوگ سالگرہ مناتے ہیں۔ اور اس میں اس بات کی بڑی خوشی مناتے ہیں۔ کہ ہماری عمر کا ایک سال پورا ہو گیا، اور اس میں موم بتیاں جلاتے ہیں۔ اور کیک کاٹتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا خرافات کرتے ہیں۔ اس پر اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑا حکیمانہ شعر کہا ہے۔ وہ یہ کہ:

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یہاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

"عقدہ" بھی عربی میں "گرہ" کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گرہ میں زندگی کے جو برس دیئے تھے، اس میں ایک اور کم ہو گیا۔ ارے یہ رونے کی بات ہے۔ یا خوشی کی بات ہے؟ یہ تو افسوس کرنے کا موقع ہے کہ تیری زندگی کا ایک سال اور کم ہو گیا۔

گزری ہوئی عمر کا مرثیہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے اپنی عمر کے تیس سال گزرنے کے بعد ساری عمر اس پر عمل فرمایا کہ جب عمر کے کچھ سال گزر جاتے تو ایک مرثیہ کہا کرتے تھے۔ عام طور پر لوگوں کے مرنے کے بعد ان کا مرثیہ کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے والد صاحب اپنا مرثیہ خود کہا کرتے تھے۔ اور اس کا نام رکھتے "مرثیہ عمر رفتہ" یعنی گزری ہوئی عمر کا مرثیہ، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فہم عطا فرمائیں تب یہ بات سمجھ میں آئے کہ واقعہ یہی ہے کہ جو وقت گزر گیا، وہ اب واپس آنے والا نہیں، اس لئے اس پر خوشی منانے کا موقع نہیں ہے، بلکہ آئندہ کی فکر کرنے کا موقع ہے کہ بقیہ زندگی کا وقت کس طریقے سے کام میں لگ جائے۔

آج ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ بے قیمت چیز وقت ہے، اس کو جہاں چاہا، کھو دیا، اور برباد کر دیا۔ کوئی قدر و قیمت نہیں، گھنٹے، دن، مہینے بے فائدہ کاموں میں اور فضولیات میں گزر رہے ہیں جس میں نہ تو دنیا کا فائدہ، نہ دین کا فائدہ۔

کاموں کی تین قسمیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی کام ہیں، وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں کچھ نفع اور فائدہ ہے، چاہے دین کا فائدہ ہو یا دنیا کا فائدہ ہو، دوسرے وہ کام ہیں۔ جو مضرت والے اور نقصان دہ ہیں۔ ان میں یا تو دین کا نقصان ہے۔ یا دنیا کا نقصان ہے، اور تیسرے وہ کام ہیں۔ جن میں نہ نفع ہے نہ نقصان ہے، نہ دنیا کا نفع، نہ دین کا نفع، نہ دنیا کا نقصان، نہ دین کا نقصان، بلکہ فضول کام ہیں۔ اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک ان کاموں کا تعلق ہے جو نقصان دہ ہیں، ظاہر ہے کہ ان سے تو بچنا ضروری ہے۔ اور اگر غور سے دیکھو تو کاموں کی یہ جو تیسری قسم ہے۔ جس میں نہ نقصان ہے، اور نہ نفع ہے، وہ بھی حقیقت میں نقصان دہ ہیں۔ اس لئے کہ جب تم ایسے کام میں اپنا وقت لگا رہے ہو۔ جس میں کوئی نفع نہیں ہے، حالانکہ اس وقت کو تم ایسے کام میں لگا سکتے تھے۔ جس میں نفع ہو، تو گویا کہ تم نے اس وقت کو برباد کر دیا۔ اور اس وقت کے نفع کو ضائع کر دیا۔

یہ بھی حقیقت میں بڑا نقصان ہے

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ فرض کریں کہ ایک شخص ایک جزیرے میں گیا، اور اس جزیرہ میں ایک سونے کا ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے کے مالک نے اس شخص سے کہا کہ جب تک تمہیں ہماری طرف سے اجازت ہے۔ اس وقت تک تم اس میں سے جتنا سونا چاہو۔ نکال لو۔ وہ سونا تمہارا ہے۔ لیکن ہم کسی بھی وقت تمہیں اچانک سونا نکالنے سے منع کر دیں گے، کہ بس اب اجازت نہیں۔ البتہ ہم تمہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ کس وقت تمہیں سونا نکالنے سے منع کر دیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تمہیں جبراً اس جزیرے سے نکلنا پڑے گا۔ کیا وہ شخص کوئی لمحہ ضائع کرے گا؟ کیا وہ شخص یہ سوچے گا کہ ابھی تو بہت وقت ہے۔ پہلے تھوڑی سی تفریح کر کے آجاؤں۔ پھر سونا نکال لوں گا۔ وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ تو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر یہ کوشش کرے گا کہ اس میں سے جتنا زیادہ سے زیادہ سونا نکال سکتا ہوں۔ وہ نکال لوں۔ اس لئے کہ جو سونا نکال لوں گا۔ وہ میرا ہو جائے گا۔ اب اگر وہ شخص سونا نکالنے کے

بجائے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ تو بظاہر اس میں تو نہ نفع ہے۔ نہ نقصان ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا نقصان ہے۔ وہ نقصان یہ ہے کہ جو بہت بڑا نفع حاصل ہونا تھا۔ وہ صرف اپنی غفلت سے چھوڑ دیا۔

ایک تاجر کا انوکھا نقصان

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے پاس ایک تاجر آیا کرتے تھے۔ ان کی بہت بڑی تجارت تھی۔ ایک مرتبہ وہ آکر کہنے لگے کہ حضرت کیا عرض کروں، کوئی دعا فرمادیں، بہت سخت نقصان ہو گیا ہے، والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر بڑا دکھ ہوا کہ یہ بیچارہ پتہ نہیں کس مصیبت کے اندر گرفتار ہو گیا، پوچھا کہ کتنا نقصان ہو گیا، اس نے کہا کہ حضرت، کروڑوں کا نقصان ہو گیا، والد صاحب نے فرمایا کہ ذرا تفصیل تو بتاؤ کہ کس قسم کا نقصان ہوا؟ کس طرح ہوا؟ جب انہوں نے اس نقصان کی تفصیل بتائی تو معلوم ہوا کہ کروڑوں کا ایک سودا ہونے والا تھا۔ وہ نہیں ہو پایا۔ بس اس کے علاوہ جو لاکھوں پہلے سے آرہے تھے۔ وہ اب بھی آرہے ہیں۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی، لیکن ایک سودا جو ہونے والا تھا۔ وہ نہیں ہوا۔ اس کے نہ ہونے کے بارے میں بتایا کہ یہ بہت زبردست نقصان ہو گیا۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس شخص نے نفع نہ ہونے کو نقصان سے تعبیر کر دیا۔ یعنی جس نفع کی توقع تھی۔ وہ نہیں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑا نقصان ہو گیا۔

اس واقعہ کے بیان کے بعد والد صاحب فرماتے کہ کاش کہ یہ بات وہ دین کے بارے میں بھی سوچ لیتا، کہ اگر میں اس وقت کو ڈھنگ کے کام میں لگاتا۔ تو اس کے ذریعہ دین کا اور آخرت کا اتنا بڑا فائدہ ہوتا، وہ رہ گیا، جس کی وجہ سے یہ نقصان ہو گیا۔

ایک بنیے کا قصہ

ایک بات ہے تو ہنسی کی۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ سمجھنے والی عقل دے تو اس میں

سے بھی کام کی باتیں نکلتی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ جو مشہور حکیم ہیں۔ انہوں نے ایک دن یہ قصہ سنایا کہ ایک بنیا عطار تھا۔ جو دوائیں بچا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ دوکان پر بیٹھتا تھا۔ ایک دن اس کو کسی ضرورت سے کہیں جانا پڑا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا۔ مجھے ذرا ایک کام سے جانا ہے، تو ذرا دوکان کی دیکھ بھال کرنا۔ اور احتیاط سے سودا وغیرہ فروخت کرنا، بیٹے نے کہا کہ بہت اچھا۔ اور اس بنیے نے اپنے بیٹے کو ہر چیز کی قیمت بتادی کہ فلاں چیز کی یہ قیمت ہے۔ فلاں چیز کی یہ قیمت ہے۔ یہ کہہکر وہ بنیا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک گاہک آیا۔ اور شربت کی دو بوتلیں اس نے خریدیں۔ بیٹے نے وہ دو بوتلیں سو سو روپے کی فروخت کر دیں، تھوڑی دیر کے بعد جب باپ واپس آیا تو اس نے بیٹے سے پوچھا کہ کیا کیا بکری ہوئی؟ بیٹے نے بتادیا کہ فلاں فلاں چیزیں بیچ دیں۔ اور یہ دو بوتلیں بھی بیچ دیں۔ باپ نے پوچھا کہ یہ بوتلیں کتنے میں بیچیں؟ بیٹے نے کہا کہ سو سو روپے کی بیچ دیں۔ یہ جواب سن کر باپ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور بیٹے سے کہا کہ تم نے تو میرا کباڑہ کر دیا۔ یہ بوتلیں تو دو دو ہزار کی تھیں، تو نے سو سو روپے کی بیچ دیں! بڑا ناراض ہوا۔ اب بیٹا بھی بڑا رنجیدہ ہوا کہ افسوس، میں نے باپ کا اتنا بڑا نقصان کر دیا۔ اور بیٹھ کر رونے لگا۔ اور باپ سے معافی مانگنے لگا کہ ابا جان، مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ میں نے آپ کا بہت بڑا نقصان کرا دیا۔ جب باپ نے یہ دیکھا کہ یہ بہت ہی رنجیدہ غمگین اور پریشان ہے۔ تو اس نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا، اتنی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ تو نے یہ بوتلیں سو سو روپے کی بیچیں۔ اس سو روپے میں سے اٹھانوے روپے اب بھی نفع کے ہیں۔ باقی اگر تم زیادہ ہوشیاری سے کام لیتے تو ایک بوتل پر دو ہزار روپے مل جاتے، بس یہ نقصان ہوا، باقی گھر سے گیا کچھ نہیں۔

بہر حال، تاجر کو اگر نفع نہ ہو تو وہ کہتا ہے کہ بہت نقصان ہے تو بھائی۔ جب دنیا کی تجارت میں یہ اصول ہے کہ نفع نہ ہونا نقصان ہے۔ تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین کے بارے میں یہ سوچ لو اگر یہ لمحات زندگی ایسے کام میں لگا دیئے جس میں نفع نہیں ہوا۔ تو حقیقت میں یہ بھی نقصان ہے۔ نفع کا سودا نہیں۔ بلکہ نقصان کا سودا ہے۔ اس لئے کہ اگر تم چاہتے تو اس سے آخرت کا بہت بڑا نفع حاصل کر لیتے.. اس

طرح اپنی زندگی گزار کر دیکھو۔

موجودہ دور اور وقت کی بچت

اور یہ بھی ذرا سوچا کرو کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اس دور میں کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور ایسی ایسی نعمتیں ہمیں دے دیں کہ جو ہمارے آباء واجداد کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔ مثلاً پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی چیز پکانی ہوتی تو پہلے لکڑیاں لائی جائیں۔ پھر ان کو سکھایا جائے۔ پھر ان کو سلگایا جائے، اب اگر ذراسی چائے بھی بنانی ہے تو اس کے لئے آدھا گھنٹہ چاہئے۔ اب الحمد للہ۔ گیس کے چولھے ہیں، اس کا ذرا سا کان مروڑا، اور دو منٹ کے اندر چائے تیار ہو گئی، اب صرف چائے کی تیاری پر اٹھائیس منٹ بچے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر روٹی پکانی ہے تو پہلے گندم آئے گا۔ اس کو چکی میں پیسا جائے گا۔ پھر آٹا گوندیں گے۔ پھر جا کر روٹی پکے گی۔ اب ذرا سا بٹن دبایا، اب مسالہ بھی تیار ہے۔ آٹا بھی تیار ہے، اس کام میں بھی بہت وقت بچ گیا۔ اب بتاؤ یہ وقت کہاں گیا؟ کس کام میں آیا؟ کہاں صرف ہوا؟ لیکن اب بھی خواتین سے کہا جائے کہ فلاں کام کر لو۔ تو جواب ملتا ہے کہ فرصت نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں یہ تمام کام کرنے کے باوجود خواتین کو عبادت کی بھی فرصت تھی۔ تلاوت کی بھی فرصت تھی۔ ذکر کرنے کی بھی فرصت تھی۔ اللہ کو یاد کرنے کی بھی فرصت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان نئے آلات کی نعمت عطا فرما دی تو اب ان خواتین سے پوچھا جائے کہ تلاوت کی توفیق ہو جاتی ہے۔؟ تو جواب ملتا ہے کہ کیا کریں، گھر کے کام دھندوں سے فرصت نہیں ملتی۔ پہلے زمانے میں سفر یا تو پیدل ہوتا تھا۔ یا گھوڑوں اور اونٹوں پر ہوتا تھا۔ اس کے بعد تانگوں اور سائیکلوں پر ہونے لگا۔ اور جس مسافت کو قطع کرنے میں مہینوں صرف ہوتے تھے۔ اب گھنٹوں میں وہ مسافت قطع ہو جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے گزشتہ کل میں اس وقت مدینہ منورہ میں تھا۔ اور کل ظہر، عصر، مغرب، عشاء چاروں نمازیں مدینہ طیبہ میں ادا کیں۔ اور آج جمعہ کی نماز یہاں آ کر ادا کر لی۔ پہلے کوئی شخص کیا یہ تصور کر سکتا تھا۔ کہ کوئی شخص مدینہ منورہ سے اگلے دن واپس لوٹ آئے۔ بلکہ پہلے تو اگر کسی کو حرمین شریفین کے سفر پر جانا ہوتا تو لوگوں سے اپنی خطائیں معاف کرا کر جایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ مہینوں کا

سفر ہوتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے سفر کو اتنا آسان فرمادیا ہے کہ آدمی چند گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ جو سفر پہلے ایک مہینے میں ہوتا تھا۔ تو اب ایک دن میں ہو گیا۔ اور انتیس دن بچ گئے۔ اب اس کا حساب لگاؤ کہ وہ انتیس دن کہاں گئے؟ اور کس کام میں صرف ہو گئے؟ معلوم ہوا کہ وہ انتیس دن ضائع کر دیئے اور اب بھی وہی حال ہے کہ فرصت نہیں۔ وقت نہیں۔ کیوں وقت نہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں اس لئے عطا فرمائی تھیں کہ وقت بچا کر مجھے یاد کرو۔ اور میری طرف رجوع کرو۔ اور آخرت کی تیاری کرو۔ اور اس کی فکر کرو۔

شیطان نے ٹیپ ٹاپ میں لگا دیا

شیطان نے یہ سوچا کہ یہ جو وقت بچ گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی یاد میں صرف ہو جائے۔ اس لئے اس نے اور دھندے نکال دے۔ مثلاً اس نے ہم لوگوں کو ٹیپ ٹاپ میں لگا دیا۔ اور یہ خیال دل میں ڈالا کہ گھر میں فلاں چیز ہونی چاہئے۔ اور فلاں چیز ہونی چاہے۔ اور اب چیز کی خریداری کیلئے پیسے بھی ہونے چاہئیں اور پیسے کمانے کیلئے فلاں کام کرنا چاہئے۔ تو اب ایک نیا دھندا شروع ہو گیا۔ آج ہم سب اس کے اندر مبتلا ہیں۔ سب ایک کشتی کے سوار ہیں، مل کر بیٹھ گئے تو اب گپ شپ ہو رہی ہے۔ اور ایک بیکار کام میں وقت گزر رہا ہے۔ اس وقت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ یہ سب وقت کو ضائع کرنے والے کام ہیں۔

خواتین میں وقت کی ناقدری

وقت ضائع کرنے اور ٹیپ ٹاپ کا مرض خاص طور پر خواتین میں بے انتہا پایا جاتا ہے۔ جو کام ایک منٹ میں ہو سکتا ہے۔ اس میں ایک گھنٹہ صرف کریں گی۔ اور جب آپس میں بیٹھیں گی تو لمبی لمبی باتیں کریں گی۔ اور جب باتیں لمبی ہوں گی تو اس میں غیبت بھی ہوگی۔ جھوٹ بھی نکلے گا۔ کسی کی دل آزاری بھی ہو جائے گی۔ خدا جانے کن کن گناہوں کا ارتکاب اس گفتگو میں شامل ہو جائے گا۔ اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ

اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا ہے۔ جو اپنے لمحات زندگی کو سونے چاندی سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے فائدہ کام میں صرف ہو جائیں۔

بدلہ لینے میں کیوں وقت ضائع کروں۔

یہ قصہ آپ حضرات کو پہلے بھی سنایا تھا کہ ایک شخص اولیاء کی نسبت معلوم کرنے کیلئے نکلے۔ ایک بزرگ سے ملاقات کی۔ اور ان کے سامنے اپنا مقصد بیان کیا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تم فلاں مسجد میں جاؤ۔ وہاں تمہیں تین بزرگ ذکر کرتے ہوئے ملیں گے۔ تم جاکر پیچھے سے ان تینوں کو ایک ایک دھول رسید کر دینا۔ وہ صاحب مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ واقعہ تین بزرگ ذکر میں مشغول ہیں۔ اس نے پیچھے سے جاکر ایک بزرگ کو دھول رسید کر دی۔ توان بزرگ نے مڑکر بھی نہیں دیکھا۔ اور اپنے ذکر کے اندر مشغول رہے۔ کیوں؟ کہ اس لئے کہ ان بزرگ نے یہ سوچا کہ جتنی دیر میں میں پیچھے مڑکر دیکھوں گا کہ کس نے دھول مارا ہے۔ اور اس سے بدلہ لوں گا۔ اتنی دیر میں تو میں کئی بار "سبحان اللہ" کہہ لوں گا، اور اس سے جو مجھے فائدہ ہو گا بدلہ لینے سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

حضرت میاں جی نور محمدؒ اور وقت کی قدر

حضرت میاں جی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب بازار میں کوئی چیز خریدنے جاتے تو ہاتھ میں پیسوں کی تھیلی ہوتی۔ اور چیز خریدنے کے بعد خود پیسے گن کر دکاندار کو نہیں دیتے تھے۔ بلکہ پیسوں کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دیتے۔ اور اس سے کہتے کہ تم خود ہی اس میں سے پیسے نکال لو۔ اس لئے کہ اگر میں نکالوں گا۔ اور اس کو گنوں گا۔ تو وقت لگے گا۔ اتنی دیر میں سبحان اللہ کئی مرتبہ کہہ لوں گا۔

ایک مرتبہ وہ اپنے پیسوں کی تھیلی اٹھائے ہوئے جارہے تھے۔ کہ پیچھے سے ایک اچکا آیا۔ اور وہ تھیلی چھین کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت میاں جی نور محمد نور نے مڑکر بھی

اس کو نہیں دیکھا کہ کون لے گیا۔ اور کہاں گیا۔ اور گھر واپس آ گئے، کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے سوچا کہ کون اس چکر میں پڑے کہ اس کے پیچھے بھاگے۔ اور اس کو پکڑے، بس اللہ اللہ کرو، ۔۔ بہر حال ان حضرات کا مزاج یہ تھا کہ ہم اپنی زندگی کے اوقات کو کیوں ایسے کاموں میں صرف کریں جس میں آخرت کا فائدہ نہ ہو۔

معاملہ تو اس سے زیادہ جلدی کا ہے

در حقیقت یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل تھا۔ جب میں اس حدیث کو پڑھتا ہوں تو مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ مگر چونکہ بزرگوں سے اس حدیث کی تشریح بھی سنی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ بے تابی نہیں ہوتی۔ لیکن بہر حال، یہ بڑی عبرت کی حدیث ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میری ایک جھونپڑی تھی۔ حدیث میں لفظ "خص" آیا ہے۔ "خص" عربی میں جھونپڑی کو کہتے ہیں۔ اس جھونپڑی میں میں کچھ ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تھی۔ اس لئے ایک روز میں اس جھونپڑی کی مرمت کر رہا تھا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے جواب میں کہا کہ:

"خص لنا وهي فنحن نصلحه"

یا رسول اللہ ہم تو اپنی جھونپڑی کو ذرا درست کر رہے ہیں آپ نے فرمایا:

ما اری الامر الا اعجل من ذلك

بھائی، معاملہ تو اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کے جو لمحات عطا فرمائے ہیں۔ یہ پتہ نہیں کب ختم ہو جائیں۔ اور موت آ جائے۔ اور آخرت کا عالم شروع ہو جائے۔ یہ لمحات جو اس وقت میسر ہیں یہ بڑی جلدی کا وقت ہے۔ اس میں تم یہ کوا اپنے گھر کی مرمت کا فضول کام لے بیٹھے؟

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی البناء، حدیث نمبر ۵۲۳۶)

اب دیکھئے کہ وہ صحابی کوئی بڑا عالیشان مکان نہیں بنا رہے تھے۔ یا اس کی تزئین اور آرائش کا کام نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ صرف اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی کا ہے ۔۔

حضرات علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو اس کام سے منع نہیں فرمایا کہ تم یہ کام مت کرو۔ یہ کام گناہ ہے۔ اس لئے کہ وہ کام گناہ نہیں تھا۔ مباح اور جائز تھا۔ لیکن آپ نے ان صحابی کو اس طرف توجہ دلادی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ساری توجہ، سارا دھیان، ساری کوشش اور ساری دوڑ دھوپ اسی دنیا کے اردگرد ہو کر رہ جائے۔

بہر حال، اگر ہم سو فیصد ان بزرگوں کی اتباع نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ تو کرلیں کہ ہم جو فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ اس سے بچ جائیں۔ اور اپنے لمحات زندگی کو کام میں لگائیں۔ اور حقیقت یہ ہے **کہ آدمی** اس ذکر کی بدولت زندگی کے ایک ایک لمحے کو آخرت کی تیاری کیلئے صرف کر سکتا ہے۔ چل رہا ہے۔ پھر رہا ہے۔ مگر زبان پر اللہ جل جلالہ کا ذکر جاری ہے۔ اور ہر کام کرتے وقت اپنی نیت درست کر لو تو یہ وقت بے مصرف اور بیکار ضائع نہیں ہو گا۔

حضور کا دنیا سے تعلق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ رات کو بستر پر سوتے تو آپ کے جسم اطہر پر نشان پڑ جایا کرتے تھے، تو ایک مرتبہ میں نے آپ کے بستر کی چادر کو دھرا کر کے بچھا دیا۔ تاکہ نشان نہ پڑیں۔ اور زیادہ آرام ملے۔ جب صبح بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا اے عائشہ، اس کو دھرا مت کیا کرو۔ اس کو اکھرا ہی رہنے دو۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیوار کی آرائش کیلئے ایک پردہ لٹکا دیا تھا۔ جس پر تصویریں تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں اس وقت تک گھر میں داخل نہیں ہو گا جب تک یہ پردہ نہیں ہٹا دو گی۔ اس لئے کہ اس میں تصویر ہے۔

اور ایک مرتبہ زینت اور آرائش کیلئے ایسا پردہ لٹکایا جس میں تصویر تو نہیں تھی۔ لیکن اس کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ :

مالی والدنیا۔ ماانا والدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا۔

ارے، میرا دنیا سے کیا کام، میری مثال تو ایک سوار کی سی ہے۔ جو کسی درخت کی چھاؤں میں تھوڑی دیر کیلئے سایہ لیتا ہے۔ اور پھر اس سایہ کو چھوڑ کر آگے چلا جاتا ہے ــــ میرا تو یہ حال ہے ــــ بہرحال، امت کو ان چیزوں سے منع تو نہیں کیا۔ لیکن اپنے عمل سے امت کو یہ سبق دیا کہ دنیا کے اندر زیادہ دل نہ لگاؤ۔ اس پر زیادہ وقت صرف نہ کرو۔ اور آخرت کی تیاری میں لگو۔

(ترمذی۔ کتاب الزھد، حدیث نمبر ۲۳۷۸)

دنیا میں کام کا اصول

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اعمل لدنیاك بقدر بقائك فیھا۔ واعمل لاٰخرتك بقدر بقائك فیھا

یعنی دنیا کے لئے اتنا کام کرو۔ جتنا دنیا میں رہنا ہے، اور آخرت کیلئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ اب ہمیشہ تو آخرت میں رہنا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کام زیادہ کرو۔ اور دنیا میں چونکہ کم رہنا ہے۔ اس لئے اس کے لئے کام کم کرو۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگرچہ اتنی اونچی پرواز نہ سہی کہ ہم حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقام تک یا ان دوسرے بزرگوں کے مقامات تک پہنچ جائیں۔ لیکن کم از کم اتنا تو ہو جائے کہ دنیا سے دل لگا کر آخرت سے غافل اور بے پرواہ تو نہ ہو جائیں۔ اور اپنی زندگی کے اوقات کو کسی طرح آخرت کے کام کیلئے استعمال کر لو۔

وقت سے کام لینے کا آسان طریقہ

اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دو کام کر لو۔ ایک یہ کہ ہر کام کے اندر نیت کی درستی اور اس کے اندر اخلاص ہو کہ جو کام بھی کروں گا۔ اللہ کی رضا کی خاطر کروں گا۔ مثلاً کھاؤں گا تو اللہ کی رضا کیلئے کھاؤں گا۔ کماؤں گا تو اللہ کی رضا کیلئے کماؤں گا۔ گھر

میں اگر اپنی بیوی بچوں سے باتیں کروں گا تو اللہ کی رضا کی خاطر کرو نگا، اور اتباع سنت کی نیت سے کرو نگا، ـــ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے ہو ـــ اس میں کیا خرچ ہوتا ہے کہ آدمی چلتے پھرتے "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" پڑھتا رہے۔ کیا اس کے پڑھنے میں کوئی محنت لگتی ہے؟ کوئی روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے؟ یا زبان گھس جاتی ہے؟ لیکن اگر انسان یہ ذکر کرتا رہے تو اس کے لمحات زندگی کام میں لگ جائیں گے۔

اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ

تیسرے یہ کہ فضولیات سے اجتناب کرو۔ اور اوقات کو ذرا تول تول کر خرچ کرو۔ اور اس کیلئے ایک نظام الاوقات بناؤ۔ اور پھر اس نظام الاوقات کے مطابق زندگی گزارو۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر تاجر اپنا چٹھا تیار کرتا ہے۔ کہ کتنا روپیہ آیا تھا اور کتنا خرچ ہوا۔ اور کتنا نفع ہوا؟ اسی طرح تم بھی اپنے اوقات کا چٹھا بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں چوبیس گھنٹے عطا فرمائے تھے۔ اس میں سے کتنا وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں صرف ہوا؟ اور کتنا وقت غلط کاموں میں صرف ہوا۔ اس طرح اپنے نفع اور نقصان کا حساب لگاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجارت خسارے میں جارہی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"یاایھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم
تؤمنون باللّٰہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللّٰہ باموالکم وانفسکم"
(سورۃ الصف: ۱۰)

اے ایمان والو۔ کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات عطا کردے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھو۔ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔

یہ بھی جہاد ہے

لوگ "جہاد" کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ایک آدمی تلوار اور بندوق لیکر میدان جہاد میں جائے، بیشک وہ جہاد کا ایک اعلیٰ فرد ہے، لیکن جہاد اس میں منحصر نہیں۔ جہاد کا ایک فرد یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے نفس سے جہاد کرے، اپنی خواہشات سے جہاد کرے، اپنے جذبات سے جہاد کرے۔ دل میں اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی جذبہ پیدا ہو رہا ہے تو اس کو روکے، یہ بھی جہاد ہے۔ اور آخرت کی تجارت ہے۔ جس کا نفع اور فائدہ آخرت میں ملنے والا ہے۔ اور میں نے اپنے والد صاحب سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سنا کہ جو شخص اپنا نظام الاوقات نہیں بناتا اور اپنے اوقات کا حساب نہیں رکھتا کہ کہاں خرچ ہو رہے ہیں۔ درحقیقت آدمی ہی نہیں ــــ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آپ حضرات کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ــــ

نیک کام کو مت ٹلاؤ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ:

ابن آدم ایاك والتسویف

اے آدم کے بیٹے۔ ٹال مٹول سے بچو۔ یعنی انسان کا نفس ہمیشہ نیک عمل کو ٹالتا رہتا ہے کہ اچھا یہ کام کل سے کریں گے۔ پرسوں سے کریں گے۔ ذرا فرصت ملے گی تو کرلیں گے۔ ذرا فلاں کام سے فارغ ہو جائیں تو پھر کریں گے۔ یہ ٹلانا اچھا نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ کسی نیک کام کو مت ٹلاؤ۔ اس لئے کہ جس کام کو ٹلا دیا وہ ٹل گیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کام کیلئے اہتمام کرے۔

دل میں اہمیت ہو تو وقت مل جاتا ہے

میرے ایک استاذ نے اپنا واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے شکایت کی

کہ آپ کبھی ہمارے پاس آتے ہی نہیں۔ نہ رابطہ رکھتے ہیں۔ اور نہ خط لکھتے ہیں۔ تو میں جواب میں کہا کہ حضرت، فرصت نہیں ملتی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ دیکھو، جس چیز کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ فرصت نہیں ملی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی اور اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔ کیونکہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے۔ آدمی اس کام کیلئے وقت اور فرصت زبردستی نکال ہی لیتا ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کام اس لئے نہیں کیا کہ فرصت نہیں ملی۔ تو مطلب یہ ہے کہ اس کام کی اہمیت دل میں نہیں۔

اہم کام کو فوقیت دی جاتی ہے

ہمیشہ یہ بات یاد رکھو کہ جب آدمی کے پاس بہت سارے کام جمع ہو جائیں۔ تو اب ظاہر ہے کہ ایک وقت میں وہ ایک ہی کام کرے گا۔ یا اسے کرے گا۔ یا اسے کرے گا۔ سب کام تو ایک ساتھ کر نہیں سکتا۔ تو اس وقت آدمی اسی کام کو پہلے کرے گا۔ جس کی اہمیت دل میں زیادہ ہوگی۔ یا ایک شخص ایک کام کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی دوسرا کام آ گیا۔ جو پہلے کام سے زیادہ اہم ہے۔ تو وہ پہلے کام کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کی اہمیت دل میں ہوتی ہے، آدمی اس کام کیلئے وقت نکال ہی لیتا ہے۔ مثلاً آپ بہت سے کاموں میں مشغول ہیں، اس وقت وزیر اعظم کا یہ پیغام آ جائے۔ کہ آپ کو بلایا ہے۔ تو کیا اس وقت بھی یہ جواب دو گے میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے فرصت نہیں۔ وہاں تو یہ جواب آپ نہیں دیں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ کے دل میں اس کی اہمیت ہے۔ اور جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے آدمی اس کے لئے وقت اور فرصت اور وقت نکال ہی لیتا ہے۔ اس لئے نیک اعمال کو فرصت پر ٹلانا کہ جب فرصت ملے گی تو کریں گے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اہمیت دل میں نہیں۔ جس دن دل میں اہمیت آئے گی۔ اس دن سب فرصت مل جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمہارے پاس صرف آج کا دن ہے

آگے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:

فانك بيومك ولست بغد فان يكن غد لك فكس فی غد کما کست فی الیوم

یعنی آج کا دن تمہارے پاس یقینی ہے۔ کل کا دن تمہارے پاس یقینی نہیں۔ کیا کسی کو اس بات کا یقین ہے کہ کل ضرور آئے گی؟ جب کل کا دن یقینی نہیں ہے تو جو کام ضروری ہے وہ آج ہی کے دن کر لو، پتہ نہیں کل آئے گی یا نہیں، اور یہ یقین مت کرو کہ کل ضرور آئے گی۔ بلکہ اس مفروضے پر کام کرو کہ کل نہیں آنی ہے۔ اس لئے جو بھی ضروری کام کرنا ہے۔ وہ آج ہی کرنا ہے۔ اگر کل کا دن مل جائے۔ اور کل آجائے تو کل کے دن بھی ایسے ہی ہو جاؤ۔ جیسے آج ہوئے تھے۔ یعنی اس دن کے بارے میں یہ یقین کر لو کہ یہ آج کا دن میرے پاس ہے۔ کل کا دن نہیں ہے ـــ اور اگر وہ کل نہ آئی تو کم از کم تمہیں یہ پشیمانی نہیں ہوگی کہ میں نے کل کا دن ضائع کر دیا۔ اس لئے ہر دن کو اپنی زندگی کا آخری دن خیال کرو۔

شاید یہ میری آخری نماز ہو

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسے دنیا سے رخصت ہونے والا نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ معلوم نہیں۔ کل کو مجھے نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ تاکہ جو کچھ حسرت اور جذبہ نکالنا ہے۔ وہ اسی میں نکال لوں، کیا پتہ کہ اگلی نماز کا وقت آئے گا یا نہیں؟

(ابن ماجہ۔ کتاب الزھد، باب الحکمۃ)

بہر حال، یہ ساری باتیں جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائیں۔ ایمان اور اعتقاد کے درجے میں ہر مسلمان کو معلوم ہیں کہ کل کا پتہ نہیں۔ آج یقینی ہے، لیکن وہ علم کس کام کا جس پر انسان کا عمل نہ ہو!۔ علم تو وہ ہے جو انسان کو عمل پر آمادہ کرے ـــ تو ان بزرگوں کی باتوں میں یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر ان کو طلب کے

ساتھ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے عمل کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ نکلا کہ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کو غنیمت سمجھو۔ اور اس کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں صرف کرنے کی کوشش کرو۔ غفلت، بے پروائی، اور وقت کی فضول خرچی سے بچو۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا

کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارا اور آپ کا یہ حال بنا دے کہ اپنے اوقات زندگی کو اللہ کے ذکر اور اس کی یاد، اور آخرت کے کام اور طاعات کے کام میں صرف کریں۔ اور فضولیات سے بچیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان باتوں پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

انسانی حقوق
اور
اسلام

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

تاریخ خطاب : ۳۱ ؍ اگست ۱۹۹۳ء

مقام خطاب : اسلامک سینٹر
ایلٹن پارک۔ لندن

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

ضبط و ترتیب : مولانا منظور احمد الحسینی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد اور اساس فراہم فرمائی ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کون سے ھیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں، اور کونسے ھیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس دنیا میں کس کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً قابل تحفظ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی حقوق اور اسلام

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ اما بعد:۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ الکریم، ونحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین

حضرات علمائے کرام، جناب صدر محفل اور معزز ین حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا ذکر مبارک

ہمارے لئے یہ بڑی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ آج اس محفل

میں، جو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ذکر کیلئے منعقد ہے، ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل انسان کی اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر اور کوئی سعادت نہیں۔ کسی شاعر نے کہا: ع

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اور حبیب کا تذکرہ بھی حبیب کے وصال کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس ذکر کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ تو جس محفل کا انعقاد اس مبارک تذکرہ کیلئے ہو، اس میں شرکت خواہ ایک مقرر اور بیان کرنے والے کی حیثیت میں ہو یا سامع کی حیثیت میں، ایک بڑی سعادت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی برکات ہمیں اور آپ کو عطا فرمائے۔ آمین

آپ کے اوصاف اور کمالات

تذکرہ ہے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اور سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر کوئی شخص اسکے صرف ایک پہلو کو بھی بیان کرنا چاہے تو پوری رات بھی اس کیلئے کافی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں اللہ جل جلالہ نے تمام بشری کمالات، جتنے متصور ہو سکتے تھے، وہ سارے کے سارے جمع فرمائے۔ یہ جو کسی نے کہا تھا کہ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانیت کیلئے اللہ جل جلالہ کی تخلیق کا ایک ایسا شاہکار بن کر تشریف لائے تھے کہ جس پر کسی بھی حیثیت سے، کسی بھی نقطہ نظر سے غور کیجئے تو وہ کمال ہی کمال کا پیکر ہے۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کے کس پہلو کو آدمی بیان کرے، کس کو چھوڑے، انسان

کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

اور غالب مرحوم نے کہا تھا

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

آج کی دنیا کا پروپیگنڈا

انسان کے تو بس ہی میں نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکے۔ ہمارے یہ ناپاک منہ 'یہ گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کی بھی اجازت دی جا سکتی 'لیکن یہ اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ اس نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اس سے رہنمائی اور استفادے کا بھی موقع عطا فرمایا۔ اس لئے موضوعات تو سیرت کے بے شمار ہیں 'لیکن میرے مخدوم اور محترم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب 'اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو جاری وساری فرمائے 'انہوں نے حکم دیا کہ سیرت طیبہ کے اس پہلو پر گفتگو کی جائے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق کیلئے کیا رہنمائی اور ہدایت لے کر تشریف لائے اور جیسا کہ انہوں نے ابھی فرمایا کہ اس موضوع کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں اس پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے سے ہیومن رائٹس (HumanRights) مجروح ہوں گے 'انسانی حقوق مجروح ہوں گے اور یہ پبلسٹی کی جارہی ہے کہ گویا ہیومن رائٹس کا تصور پہلی بار مغرب کے ایوانوں سے بلند ہوا اور سب سے پہلے انسان کو حقوق دینے والے یہ اہل مغرب ہیں اور محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں انسانی حقوق کا ـــــ معاذ اللہ ـــــ کوئی تصور موجود نہیں۔ یہ موضوع جب انہوں نے گفتگو کیلئے عطا فرمایا تو ان کے تعمیل حکم میں اسی موضوع پر آج اپنی گفتگو کو محصور کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن موضوع ذرا تھوڑا سا علمی نوعیت کا ہے اور ایسا موضوع ہے کہ اس میں ذرا زیادہ توجہ اور زیادہ حاضر دماغی کی ضرورت ہے 'اس

لئے آپ حضرات سے درخواست ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور اس کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے براہ کرم توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ شاید اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دل میں اس سلسلے میں کوئی صحیح بات ڈال دے۔

انسانی حقوق کا تصور

سوال یہ پیدا ہوتا ہے، جس کا جواب دینا منظور ہے، کہ آیا اسلام میں انسانی حقوق کا کوئی جامع تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ اس دور کا عجیب و غریب رجحان ہے کہ انسانی حقوق کا ایک تصور پہلے اپنی عقل، اپنی فکر، اپنی سوچ کی روشنی میں خود متعین کر لیا کہ یہ انسانی حقوق ہیں، یہ ہیومن رائٹس ہیں اور ان کا تحفظ ضروری ہے اور اپنی طرف سے خود ساختہ جو سانچہ انسانی حقوق کا ذہن میں بنایا اس کو ایک معیار حق قرار دے کر ہر چیز کو اس معیار پر پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ پہلے سے خود متعین کر لیا کہ فلاں چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز انسانی حق نہیں ہے اور یہ متعین کرنے کے بعد اب دیکھا جاتا ہے کہ آیا اسلام یہ حق دیتا ہے یا نہیں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا یا نہیں دیا؟ اگر دیا تو گویا ہم کسی درجہ میں اس کو ماننے کیلئے تیار ہیں۔ اگر نہیں دیا تو ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ لیکن ان مفکرین اور دانشوروں سے اور ان فکر و عقل کے سورماؤں سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ نے جو اپنے ذہن سے انسانی حقوق کے تصورات مرتب کئے، یہ آخر کس بنیاد پر کئے؟ یہ کس اساس پر کئے؟ یہ جو آپ نے یہ تصور کیا کہ انسانی حقوق کا ایک پہلو یہ ہے، ہر انسان کو یہ حق ضرور ملنا چاہئے، یہ آخر کس بنیاد پر آپ نے کہا کہ ملنا چاہئے؟

انسانی حقوق بدلتے آئے ہیں

انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسان کے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات بدلتے چلے آئے ہیں۔ کسی دور میں انسان کیلئے ایک حق لازمی سمجھا جاتا تھا، دوسرے دور میں اس حق کو بے کار قرار

دے دیا گیا' ایک خطے میں ایک حق قرار دیا گیا دوسری جگہ اس حق کو ناحق قرار دے دیا گیا۔ تاریخ انسانیت پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ جس زمانے میں بھی انسانی فکر نے حقوق کے جو سانچے تیار کئے ان کا پروپیگنڈا' ان کی پبلسٹی اس زور و شور کے ساتھ کی گئی کہ اس کے خلاف بولنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔

حضور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے اس وقت انسانی حقوق کا ایک تصور تھا اور وہ تصور ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اسی تصور کو معیار حق قرار دیا جاتا تھا' ضروری قرار دیا جاتا تھا کہ یہ حق لازمی ہے۔ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اس زمانے میں انسانی حقوق ہی کے حوالے سے یہ تصور تھا کہ جو شخص کسی کا غلام بن گیا تو غلام بننے کے بعد صرف جان و مال اور جسم ہی اس کا مملوک نہیں ہوتا تھا' بلکہ انسانی حقوق اور انسانی مفادات کے ہر تصور سے وہ عاری ہو جاتا تھا' آقا کا یہ بنیادی حق تھا کہ چاہے وہ اپنے غلام کے گردن میں طوق ڈالے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پہنائے' یہ ایک تصور تھا۔ جنہوں نے اس کو جسٹی فائی (justify) کرنے کیلئے اور اس کو مبنی بر انصاف قرار دینے کیلئے فلسفے پیش کئے تھے ان کا پورا لٹریچر آپ کو مل جائیگا' آپ کہیں گے کہ یہ دور کی بات ہے' چودہ سو سال پہلے کی بات ہے' لیکن ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات لے لیجئے' جب جرمنی اور اٹلی میں فاشزم نے اور نازی ازم نے سر اٹھایا تھا۔ آج فاشزم اور نازی ازم کا نام گالی بن چکا اور دنیا بھر میں بدنام ہو چکا' لیکن آپ ان کے فلسفے کو اٹھا کر دیکھئے' جس بنیاد پر انہوں نے فاشزم کا تصور پیش کیا تھا اور نازی ازم کا تصور پیش کیا تھا' اس فلسفے کو خالص عقل کی بنیاد پر اگر آپ رد کرنا چاہیں تو آسان نہیں ہوگا۔ انہوں نے یہ تصور پیش کیا تھا کہ جو طاقتور ہے اس کا ہی یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کمزور پر حکومت کرے اور یہ طاقتور کے بنیادی حقوق میں شمار ہوتا ہے اور کمزور کے ذمہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے آگے سر جھکائے۔ یہ تصور ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے۔ تو انسانی افکار کی تاریخ میں انسانی حقوق کے تصورات یکساں نہیں رہے' بدلتے رہے۔ کسی دور میں کسی ایک چیز کو حق قرار دیا گیا اور کسی دور میں کسی دوسری چیز کو حق قرار دیا گیا اور جس میں دور جس قسم کے حقوق کے سیٹ کو یہ کہا گیا کہ یہ انسانی حقوق کا حصہ ہے' اس کے خلاف بات کرنا زبان کھولنا ایک جرم قرار پایا۔ تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج جن ہیومن رائٹس کے بارے میں یہ کہا جارہا ہے

کہ ان ہیومن رائٹس کا تحفظ ضروری ہے، یہ کل کو تبدیل نہیں ہوں گے، کل کو ان کے درمیان انقلاب نہیں آئے گا اور کون سی بنیاد ہے جو اس بات کو درست قرار دے سکے؟

صحیح انسانی حقوق کی تعین

حضور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے بارے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن (Contribution) یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد فراہم فرمائی۔ وہ اساس فراہم فرمائی جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس دنیا میں کسی کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً قابل تحفظ ہیں۔

آزادی فکر کا علم بردار ادارہ

میں آپ کو ایک لطیفے کی بات سناتا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک دن میں مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو باہر سے کوئی صاحب ملنے کیلئے آئے۔ کارڈ بھیجا تو دیکھا کہ اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ ساری دنیا میں ایک مشہور ادارہ ہے جس کا نام ایمنسٹی انٹرنیشنل ہے، جو سارے انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا علمبردار ہے، اس ادارے کے ایک ڈائریکٹر پیرس سے پاکستان آئے ہیں۔ اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، خیر میں نے اندر بلالیا، پہلے سے کوئی اپائنٹ منٹ نہیں تھی، کوئی پہلے سے وقت نہیں لیا تھا، اچانک آگئے اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر بھی ان کے ساتھ تھے ـــــ آپ کو یہ معلوم ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل وہ ادارہ ہے جسکو انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے اور آزادی تقریر و تحریر کیلئے علمبردار ادارہ کہا جاتا ہے اور پاکستان میں جو بعض شرعی قوانین نافذ ہوئے یا مثلاً قادیانیوں کے سلسلے میں پابندیاں عائد کی گئیں تو ایمنسٹی انٹرنیشنل کی طرف سے اس پر اعتراضات و احتجاجات کا سلسلہ

رہا ـــــــ بہر حال یہ صاحب تشریف لائے تو انہوں نے آکر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اس لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میرے ادارے نے مجھے اس بات پر مقرر کیا ہے کہ میں آزادی تحریر و تقریر اور انسانی حقوق کے سلسلے میں ساؤتھ ایسٹ ایشیاء کے ممالک کی رائے عامہ کا سروے کروں، یعنی یہ معلوم کروں کہ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمان انسانی حقوق، آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار رائے کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور وہ کس حد تک اس معاملہ میں ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔ اس کا سروے کرنے کیلئے میں پیرس سے آیا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے انٹرویو کرنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے معذرت بھی کی کہ چونکہ میرے پاس وقت کم تھا اس لئے میں پہلے سے وقت نہیں لے سکا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے چند سوالات کا آپ جواب دیں تاکہ اس کی بنیاد پر اپنی رپورٹ مرتب کر سکوں۔

آجکل کا سروے

میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہا کہ میں کل ہی پہنچا ہوں۔ میں نے کہا آئندہ کیا پروگرام ہے؟ فرمانے لگے کہ کل مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ میں نے کہا اس کے بعد؟ کہا کہ اسلام آباد ایک یا دو دن ٹھہر کر پھر میں دہلی جاؤں گا۔ میں نے کہا وہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے؟ کہا دو دن۔ میں نے کہا پھر اس کے بعد؟ کہا کہ اس کے بعد مجھے ملائیشیا جانا ہے۔ تو میں نے کہا کل آپ کراچی تشریف لائے اور آج شام کو اس وقت میرے پاس تشریف لائے، کل صبح آپ اسلام آباد چلے جائیں گے، آج کا دن آپ نے کراچی میں گزارا، تو آپ نے کیا کراچی کی رائے عامہ کا سروے کر لیا؟ تو اس سوال پر وہ بہت سٹپٹائے۔ کہنے لگے اتنی دیر میں واقعی پورا سروے تو نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اس مدت کے اندر میں نے کافی لوگوں سے ملاقات کی اور تھوڑا بہت اندازہ مجھے ہو گیا ہے۔ تو میں نے کہا آپ نے کتنے لوگوں سے ملاقات کی؟ کہا کہ پانچ افراد سے میں ملاقات کر چکا ہوں، چھٹے آپ ہیں۔ میں نے کہا چھ افراد سے ملاقات کرنے کے بعد آپ نے کراچی کا سروے کر لیا، اب اس کے بعد کل اسلام آباد تشریف لے جائیں گے اور وہاں ایک دن قیام فرمائیں گے، چھ آدمیوں سے وہاں آپ کی ملاقات ہوگی، چھ آدمیوں سے ملاقات کے بعد اسلام

آباد کی رائے عامہ کا سروے ہو جائے گا' اس کے بعد دو دن دہلی تشریف لے جائیں گے ' دو دن دہلی کے اندر کچھ لوگوں سے ملاقات کریں گے تو وہاں کا سروے آپ کا ہو جائے گا۔ تو یہ بتائیے کہ یہ سروے کا کیا طریقہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے آپ کی بات معقول ہے ' واقعتاً جتنا وقت مجھے دینا چاہئے تھا اتنا میں دے نہیں پارہا' مگر میں کیا کروں کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے کہا معاف فرمایئے 'اگر وقت کم تھا تو کس ڈاکٹر نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ سروے کریں؟ اس لئے کہ اگر سروے کرنا تھا تو پھر ایسے آدمی کو کرنا چاہئے جس کے پاس وقت ہو' جو لوگوں کے پاس جاکر مل سکے ' لوگوں سے بات کر سکے 'اگر وقت کم تھا تو پھر سروے کی ذمہ داری لینے کی ضرورت کیا تھی؟ تو کہنے لگے کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے ' لیکن بس ہمیں اتنا ہی وقت دیا گیا تھا' اس لئے میں مجبور تھا۔ میں نے کہا معاف فرمایئے مجھے آپ کے اسے سروے کی سنجیدگی پر شک ہے 'میں اس سروے کو سنجیدہ نہیں سمجھتا' لہٰذا میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں اور نہ آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کیلئے تیار ہوں 'اس لئے کہ آپ پانچ چھ آدمیوں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ رپورٹ دیں گے کہ وہاں پر رائے عامہ یہ ہے۔ اس رپورٹ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ وہ بہت سٹپٹائے اور کہا کہ آپ کی بات ویسے ٹیکنیکلی صحیح ہے ' لیکن یہ کہ میں چونکہ آپ کے پاس ایک بات پوچھنے کیلئے آیا ہوں تو میرے کچھ سوالوں کے جواب آپ ضرور دے دیں۔ میں نے کہا نہیں 'میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا' جب تک مجھے اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ آپ کا سروے واقعۃ علمی نوعیت کا ہے اور سنجیدہ ہے 'اس وقت تک میں اس کے اندر کوئی پارٹی بننے کیلئے تیار نہیں ہوں' آپ مجھے معاف فرمائیں ' میرے مہمان ہیں 'میں آپ کی خاطر تواضع جو کر سکتا ہوں وہ کروں گا' باقی کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

کیا آزادی فکر کا نظریہ بالکل مطلق ہے؟

میں نے کہا کہ اگر میری بات میں کوئی غیر معقولیت ہے تو مجھے سمجھا دیجئے کہ میرا موقف غلط ہے اور فلاں بنیاد پر غلط ہے۔ کہنے لگے بات تو آپ کی معقول ہے '

لیکن میں آپ سے ویسے برادرانہ طور پر یہ چاہتا ہوں کہ آپ کچھ جواب دیں۔میں نے کہا میں جواب نہیں دوں گا' البتہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے سوال تو میں کرنے کیلئے آیا تھا لیکن آپ میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تو ٹھیک آپ سوال کرلیں' آپ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا میں آپ سے اجازت طلب کر رہا ہوں' اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کرلوں گا اگر اجازت نہیں دیں گے تو میں بھی سوال نہیں کروں گا اور ہم دونوں کی ملاقات ہوگئی بات ختم ہوگئی۔ کہنے لگے نہیں آپ سوال کرلیجئے۔تو میں نے کہا میں سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ آزادی اظہار رائے اور انسانی حقوق کا علم لے کر چلے ہیں تو میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی اظہار رائے جس کی آپ تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں یہ آزادی اظہار رائے Absolute یعنی مطلق ہے' اس پر کوئی قید کوئی پابندی کوئی شرط عائد نہیں ہوتی یا یہ کہ آزادی اظہار رائے پر کچھ قیود و شرائط بھی عائد ہونی چاہئیں؟ کہنے لگے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟ تو میں نے کہا مطلب تو الفاظ سے واضح ہے۔میں یہ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جس آزادی اظہار رائے کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں' تو کیا وہ ایسی ہے کہ جس شخص کی جو رائے ہو اس کو برملا اظہار کرے' اس کی برملا تبلیغ کرے' برملا اس کی طرف دعوت دے اور اس پر کوئی روک ٹوک کوئی پابندی عائد نہ ہو۔ یہ مقصود ہے؟ اگر یہ مقصود ہے تو فرمایئے کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میرے رائے یہ ہے کہ یہ دولت مند افراد نے بہت پیسے کمالئے اور غریب لوگ بھوکے مر رہے ہیں' لہٰذا ان دولت مندوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈال کر اور ان کی دکانوں کو لوٹ کر غریبوں کو پیسہ پہنچانا چاہئے۔اگر کوئی شخص دیانتدارانہ یہ رائے رکھتا اور اس کی تبلیغ کرے اور اس کا اظہار کرے' لوگوں کو دعوت دے کہ آپ آیئے اور میرے ساتھ شامل ہو جایئے اور یہ جتنے دولت مند لوگ ہیں' روزانہ ان پر ڈاکہ ڈالا کریں گے' ان کا مال لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کیا کریں گے' تو آپ ایسی اظہار رائے کی آزادی کے حامی ہوں گے یا نہیں؟ اور اس کی اجازت دیں گے یا نہیں؟ کہنے لگے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ لوگوں کا مال لوٹ کر دوسروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ تو میں نے کہا یہی میرا مطلب تھا کہ اگر اس کی اجازت نہیں دی جائے گی تو اس کا معنی یہ ہے کہ آزادی اظہار رائے اتنی (Absolute)' اتنی مطلق نہیں ہے کہ اس پر کوئی

قید کوئی شرط کوئی پابندی عائد نہ کی جاسکے 'کچھ نہ کچھ قید شرط لگانی پڑے گی ۔ کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو لگانی پڑے گی ۔ تو میں نے کہا مجھے یہ بتایئے کہ وہ قید و شرط کس بنیاد پر لگائی جائے گی اور کون لگائے گا؟ کس بنیاد پر یہ طے کیا جائے کہ فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا تو جائز ہے اور فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے؟ فلاں قسم کی تبلیغ جائز ہے اور فلاں قسم کی تبلیغ جائز نہیں ہے؟ اس کا تعین کون کرے گا اور کس بنیاد پر کرے گا' اس سلسلے میں آپ کے ادارے نے کوئی علمی سروے کیا ہو اور علمی تحقیق کی ہو تو میں اس کو جاننا چاہتا ہوں ۔ کہنے لگے کہ اس نقطہ نظر پر اس سے پہلے ہم نے غور نہیں کیا ۔ تو میں نے عرض کیا کہ دیکھئے! آپ اتنے بڑے مشن کو لے کر چلے ہیں ' پوری انسانیت کو آزادی اظہار رائے دلانے کیلئے 'ان کو حقوق دلانے کیلئے چلے ہیں 'لیکن آپ نے بنیادی سوال نہیں سوچا کہ آخر آزادی اظہار رائے کس بنیاد پر طے ہونی چاہئے؟ کیا اصول ہونے چاہئیں؟ کیا شرطیں اور کیا قیود ہونی چاہئیں؟ تو کہنے لگے اچھا آپ ہی بتا دیجئے ۔ تو میں نے کہا میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میں کسی سوال کا جواب دینے بیٹھا ہی نہیں ۔ میں تو آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھے بتایئے کہ کیا قیود و شرائط ہونی چاہئیں اور کیا نہیں ۔ میں نے تو آپ سے سوال کیا ہے کہ آپ کے نقطہ نظر سے اور آپ کے ادارے کے نقطہ نظر سے اس کا کیا جواب ہونا چاہئے؟

آپ کے پاس کوئی معیار نہیں ہے

کہنے لگے میرے علم میں ابھی تک ایسا فارمولا نہیں ہے ۔ ایک فارمولا ذہن میں آتا ہے کہ ایسی آزادی اظہار رائے جس میں وائی لنس ہو 'جس میں دوسرے کے ساتھ تشدد ہو تو ایسی آزادی اظہار رائے نہیں ہونی چاہئے ۔ میں نے کہا یہ تو آپ کے ذہن میں آیا کہ وائی لنس کی پابندی ہونی چاہئے 'کسی اور کے ذہن میں کوئی اور بات بھی آسکتی ہے کہ فلاں قسم کی پابندی بھی ہونی چاہئے ۔ یہ کون طے کرے گا اور کس بنیاد پر طے کریگا کہ کس قسم کی اظہار رائے کی کھلی چھٹی ہونی چاہئے 'کس قسم کی نہیں؟ اس کا کوئی فارمولا اور کوئی معیار ہونا چاہئے ۔ کہنے لگے آپ سے گفتگو کے بعد یہ اہم سوال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اپنے ذمہ داروں تک اس کو پہنچاؤں گا اور اس کے بعد اس پر اگر کوئی لٹریچر ملا تو آپ کو بھیجوں گا ۔ تو میں نے کہا انشاء اللہ میں

منتظر رہوں گا کہ اگر آپ اس کے اوپر کوئی لٹریچر بھیج سکیں اور اس کا کوئی فلسفہ بتا سکیں تو میں ایک طالب علم کی حیثیت میں اس کا مشتاق ہوں۔ جب وہ چلنے لگے، تو اس وقت میں نے ان سے کہا کہ میں سنجیدگی سے آپ سے کہہ رہا ہوں، یہ بات مذاق کی نہیں ہے، سنجیدگی سے چاہتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور کیا جائے، اس کے بارے میں آپ اپنا نقطہ نظر بھیجیں، لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ جتنے آپ کے نظریات اور فلسفے ہیں، ان سب کو مد نظر رکھ لیجئے، کوئی ایسا متفقہ فارمولا آپ پیش کر نہیں سکیں گے، جس پر ساری دنیا متفق ہوجائے کہ فلاں بنیاد پر اظہار رائے کی آزادی ہونی چاہئے اور فلاں بنیاد پر نہیں ہونی چاہئے۔ تو یہ میں آپ کو بتادیتا ہوں اور اگر پیش کر سکیں تو میں منتظر ہوں۔ آج ڈیڑھ سال ہوگیا ہے کوئی جواب نہیں آیا۔

انسانی عقل محدود ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجمل نعرے، کہ صاحب ! ہیومن رائٹس ہونے چاہئیں، آزادی اظہار رائے ہونی چاہئے، تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہئے، انکی ایسی کوئی بنیاد جس پر ساری دنیا متفق ہوسکے یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ کیوں ؟ اس واسطے کہ جو کوئی بھی یہ بنیادیں طے کرے گا وہ اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بنیاد پر کریگا۔ اور کبھی دو انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہوتیں، دو گروپوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، دو زمانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، لہٰذا ان کے درمیان اختلاف رہا ہے، رہے گا اور اس اختلاف کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی عقل اپنی ایک لمیٹیشن (Limitation) رکھتی ہے، اس کی حدود ہیں، اس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر پاتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پوری انسانیت کیلئے سب سے بڑا احسان عظیم یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام معاملات کو طے کرنے کی جو بنیاد فراہم کی ہے وہ یہ

ہے کہ وہ ذات جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا' وہ ذات جس نے انسانوں کو پیدا کیا' اسی سے پوچھو کہ کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں اور کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے' اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔

اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں

جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ بتاؤ کے اسلام ہمیں کیا حقوق دیتا ہے پھر ہم اسلام کو مانیں گے۔ میں نے کہا اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر پہلے اپنے ذہن میں طے کرلیا کہ یہ حقوق جہاں ملیں گے وہاں جائیں گے اور اس کے بعد پھر یہ حقوق چونکہ اسلام میں مل رہے ہیں اس واسطے میں جارہا ہوں' تو یاد رکھو اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ اپنی عاجزی درماندگی اور شکستگی پیش کرو کہ ان مسائل کو حل کرنے میں ہماری عقل عاجز ہے اور ہماری سوچ عاجز ہے' ہمیں وہ بنیاد چاہئے جس کی بنیاد پر ہم مسائل کو حل کریں۔ جب آدمی اس نقطہ نظر سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسلام ہدایت و رہنمائی پیش کرتا ہے۔ ھدی للمتقین۔ یہ ہدایت متقین کیلئے ہے۔ متقین کے کیا معنی ؟ متقین کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل میں طلب ہو' یہ ہو کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں' درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں' پھر اپنے مالک اور خالق کے سامنے رجوع کرتے ہیں کہ آپ ہمیں بتائیے کہ ہمارے لئے کیا راستہ ہے ؟

لہٰذا یہ جو آج کی دنیا کے اندر ایک فیشن بن گیا کہ صاحب ! پہلے یہ بتاؤ کہ ہیومن رائٹس کیا ملیں گے' تب اسلام میں داخل ہوں گے تو یہ طریقہ اسلام میں داخل ہونے کا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس امت کو اسلام کا پیغام دیا' دعوت دی تو آپ نے جتنے غیر مسلموں کو دعوت دی' کسی جگہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں آجاؤ تمہیں فلاں فلاں حقوق

مل جائیں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم کو اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں "قُوْلُوْا لا اله الاّ اللہ تُفْلِحُوْنَ" اے لوگو' "لا اله الا اللہ" کہدو۔ کامیاب ہوجاؤ گے' لہذا مادی منافع مادی مصلحتوں اور مادی خواہشات کی خاطر اگر کوئی اسلام میں آنا چاہتا ہے تو وہ درحقیقت اخلاص کے ساتھ صحیح راستہ تلاش نہیں کر رہا ہے' لہذا پہلے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے کہ ہماری عقلیں ان مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہیں۔

عقل کا دائرہ کار

یادرکھئے کہ یہ موضوع بڑا طویل ہے کہ عقل انسانی بے کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عقل عطا فرمائی' یہ بڑی کار آمد چیز ہے' مگر یہ اس حد تک کار آمد ہے جب تک اس کو اس کی حدود میں استعمال کیا جائے اور حدود سے باہر اگر اس کو استعمال کرو گے تو وہ غلط جواب دینا شروع کردے گی۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے' اس کا نام وحی الٰہی ہے' جہاں عقل جواب دے جاتی ہے اور کار آمد نہیں رہتی وحی الٰہی اسی جگہ پر آکر رہنمائی کرتی ہے۔

حواس کا دائرہ کار

دیکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں آنکھ دی' کان دیئے' یہ زبان دی۔ آنکھ سے دیکھ کر ہم بہت سی چیزیں معلوم کرتے ہیں' کان سے سن کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں' زبان سے چکھ کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا اپنا ایک فنکشن رکھا ہے' ہر ایک کا اپنا عمل ہے اس حد تک وہ کام دیتا ہے' اس سے باہر نہیں دیتا۔ آنکھ دیکھ سکتی ہے' سن نہیں سکتی۔ کوئی شخص یہ

چاہے کہ میں آنکھ سے سنوں تو وہ احمق ہے۔ کان سن سکتا ہے دیکھ نہیں سکتا۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ کان سے میں دیکھنے کا کام لوں تو وہ بے وقوف ہے۔ اس واسطے کہ یہ اس کام کیلئے نہیں بنایا گیا' اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں نہ آنکھ کام دیتی ہے نہ کان کام دیتا ہے نہ زبان کام دیتی ہے۔ اس موقع کیلئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی 'وہاں عقل انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔

تنہا عقل کافی نہیں

دیکھئے یہ کرسی ہمارے سامنے رکھی ہے' آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اس کے ہینڈل زرد رنگ کے ہیں' ہاتھ سے چھو کر معلوم کیا کہ یہ چکنے ہیں۔ لیکن تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیا خود بخود وجود میں آگئی یا کسی نے اس کو بنایا؟ تو وہ بنانے والا میرے آنکھوں کے سامنے نہیں ہے' اس واسطے میری آنکھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی' میرا ہاتھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا' اس موقع کیلئے اللہ تعالیٰ نے تیسری چیز عطا فرمائی جس کا نام عقل ہے۔ عقل سے میں نے سوچا کہ یہ جو ہینڈل ہے' یہ بڑے قاعدے کا بنا ہوا ہے' یہ خود سے وجود میں نہیں آسکتا' کسی بنانے والے نے اس کو بنایا ہے۔ یہاں عقل نے میری رہنمائی کی ہے۔ لیکن ایک چوتھا سوال آگے چل کر پیدا ہوتا ہے کہ اس کرسی کو کس کام میں استعمال کرنا چاہئے' کس میں نہیں کرنا چاہئے؟ کہاں اس کو استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا کہاں نقصان ہوگا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے عقل بھی ناکام ہوجاتی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھی چیز عطا فرمائی اور اس کا نام وحی الٰہی۔ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے' وہ خیر اور شر کا فیصلہ کرتی ہے' وہ نفع اور نقصان کا فیصلہ کرتی ہے۔ جو بتاتی ہے کہ اس چیز میں خیر ہے اس میں شر ہے' اس میں نفع ہے اس میں نقصان ہے۔ وحی آتی ہی اس مقام پر ہے جہاں انسان کی عقل کی پرواز ختم ہوجاتی ہے'

لہٰذا جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے اور وہ اپنی عقل میں نہ آئے، سمجھ میں نہ آئے تو اس کی وجہ سے اس کو رد کرنا کہ صاحب میری تو عقل میں نہیں آرہا، لہٰذا میں اس کو رد کرتا ہوں تو یہ رد حقیقت اس عقل کی اور وحی الٰہی کی حقیقت ہی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اگر سمجھ میں آتا تو وحی آنے کی ضرورت کیا تھی؟ وحی تو آئی ہی اس لئے کہ تم اپنی تنہا عقل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی اگر عقل سے خود بخود فیصلہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایک حکم نازل کر دیتے بس کہ ہم نے تمہیں عقل دی ہے، عقل کے مطابق جو چیز اچھی لگے وہ کرو اور جو بری لگے اس سے بچ جاؤ۔ نہ کسی کتاب کی ضرورت، نہ کسی رسول کی ضرورت، نہ کسی پیغمبر کی ضرورت، نہ کسی مذہب اور دین کی ضرورت۔ لیکن جب اللہ نے اس عقل دینے کے باوجود اس پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ رسول بھیجے، کتابیں اتاریں، وحی بھیجی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تنہا عقل انسان کی رہنمائی کیلئے کافی نہیں تھی۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں چونکہ اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا، لہٰذا ہم نہیں مانتے تو وہ درحقیقت دین کی حقیقت سے ناواقف ہیں، حقیقت سے جاہل ہیں۔ سمجھ میں آہی نہیں سکتا۔

اور یہیں سے ایک اور بات کا جواب مل جاتا ہے جو آج کل بڑی کثرت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے چاند پر جانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا، خلا کو فتح کرنے کا کوئی فارمولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا، یہ سب قومیں اس قسم کے فارمولے حاصل کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئیں اور ہم قرآن بغل میں رکھنے کے باوجود پیچھے رہ گئے، تو قرآن اور سنت نے ہمیں یہ فارمولے کیوں نہیں بتلائے؟

جواب اس کا یہی ہے کہ اس لئے نہیں بتایا کہ وہ چیز عقل کے دائرے کی تھی، اپنی عقل سے اور اپنے تجربے اور اپنی محنت سے جتنا

آگے بڑھو گے، اس کے اندر تمہیں انکشافات ہوتے چلے جائیں گے، وہ تمہارے عقل کے دائرے کی چیز تھی، عقل اسکا ادراک کر سکتی تھی۔ اس واسطے اس کے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کیلئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کیلئے کتاب نازل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن کتاب اور رسول کی ضرورت وہاں تھی جہاں تمہاری عقل عاجز تھی جیسے کہ ایمنٹی انٹر نیشنل والے آدمی کی عقل عاجز تھی کہ بنیادی حقوق اور آزادی و تحریر و تقریر کے اوپر کیا پابندیاں ہونی چاہئیں، کیا نہیں ہونی چاہئیں۔ اس معاملے میں انسان کی عقل عاجز تھی اس کیلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

حقوق کا تحفظ کس طرح ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ فلاں حق انسان کا ایسا ہے جس کا تحفظ ضروری ہے اور فلاں حق ہے جس کے تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے پہلے یہ سمجھ لو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے سلسلے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تعین کی بنیاد فراہم فرمائی کہ کونسا انسانی حق پابندی کے قابل ہے اور کونسا نہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آجائے تو اب دیکھئے کہ محمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے حقوق انسان کو عطا فرمائے۔ کن حقوق کو ریکگنائز (Recognize) کیا، کن حقوق کا تعین فرمایا اور پھر اس کے اوپر عمل کر کے دکھایا، آج کی دنیا میں ریکگنائز کرنے والے تو بہت اور اس کا اعلان کرنے والے بہت، اس کے نعرے لگانے والے بہت، لیکن ان نعروں پر اور ان حقوق کے اوپر جب عمل کرنے کا سوال آجائے تو وہی اعلان کرنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں، جب ان کا اپنا معاملہ آجاتا ہے، اپنے مفاد سے ٹکراؤ پیدا ہوجاتا ہے، تو دیکھئے پھر انسانی حقوق کس طرح پامال ہوتے ہیں۔

آج کی دنیا کا حال

انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہئے۔ جمہوریت' سیکولر ڈیموکریسی۔ آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں بہت مشہور ہورہی ہے۔ "دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین" (The end of History and the last man) آج کل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہورہی ہے' اس کا سارا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ جمہوریت کے اوپر ہوگیا اور اب انسانیت کے عروج اور فلاح کیلئے کوئی نیا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا۔ یعنی ختم نبوت پر ہم اور آپ یقین رکھتے ہیں' اب یہ "ختم نظریات" ہوگیا یہ کہ ڈیمو کریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ نعرہ ہے کہ اکثریت جو بات کہہ دے وہ حق ہے اس کو قبول کرو' اس کی بات مانو' لیکن وہی اکثریت اگر الجزائر میں کامیاب ہوجاتی ہے اور انتخابات میں اکثریت حاصل کرلیتی ہے تو اس کے بعد جمہوریت باقی نہیں رہتی۔ پھر اس کا وجود جمہوریت کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ تو نعرے لگا لینا اور بات ہے لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانا مشکل ہے۔

یہ نعرے لگا لینا بہت اچھی بات ہے کہ سب انسانوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں' ان کو آزادی اظہار رائے ہونی چاہئے لوگوں کو حق خود ارادی ملنا چاہئے اور یہ سب کچھ صحیح' لیکن دوسری طرف لوگوں کا حق خود ارادی پامال کر کے انکو کو جبر و تشدد کی چکی میں پیسا جارہا ہے' ان کے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان تھراتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے منادی کرنے والے ان کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ تو بات صرف یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں ؟ بات یہ ہے کہ جو بات زبان سے کہو اس کو کر کے دکھاؤ اور یہ کام کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ نے جو حق دیا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی

غزوہ بدر کا موقع ہے اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ جارہے ہیں، راستے میں ابو جہل کے لشکر سے ٹکراؤ ہوجاتا ہے اور ابو جہل کا لشکر کہتا ہے ہم تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے نہیں دیں گے، اس لئے کہ تم جاؤ گے تو ہمارے خلاف ان کے لشکر میں شامل ہوکر جنگ کرو گے۔ یہ بیچارے پریشان ہوتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے جانا تھا اور انہوں نے روک لیا۔ آخر کار انہوں نے کہا اس شرط پر تمہیں چھوڑیں گے کہ ہم سے وعدہ کرو۔ کہ جاؤ گے اور جانے کے بعد ان کے لشکر میں شامل نہیں ہوگے ہم سے جنگ نہیں کرو گے۔ اگر یہ وعدہ کرتے ہو تو ہم تمہیں چھوڑتے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور انکے والدؓ نے وعدہ کر لیا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف زیارت کریں گے، ان کے لشکر میں شامل ہوکر آپ سے لڑیں گے نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو چھوڑ دیا، اب یہ دونوں حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جب کفار کے ساتھ جنگ کا وقت آیا، اور کیسی جنگ، ایک ہزار مکہ مکرمہ کے مسلح سورما اور اسکے مقابلے میں ۳۱۳ نہتے، جن کے پاس ۸ تلواریں، دوگھوڑے ستر اونٹ۔ ۸ تلواروں کے سوا تین سو تیرہ آدمیوں کے پاس اور تلوار بھی نہیں تھی، کسی نے لاٹھی اٹھائی ہوئی ہے کسی نے پتھر اٹھایا ہوا ہے۔ اس موقع پر ایک ایک آدمی کی قیمت تھی، ایک ایک انسان کی قیمت تھی۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ نئے آدمی آئے ہیں، آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اور ان سے زبردستی معاہدہ کرایا گیا ہے، یہ وعدہ زبردستی لیا گیا کہ تم جنگ میں شامل نہیں ہوگے تو اس واسطے ان کو اجازت دیجئے کہ جہاد میں شامل ہوجائیں اور جہاد بھی کونسا؟ یوم الفرقان، جس کے اندر شامل ہونے والا ہر فرد بدری بن گیا، جس کے بارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمائے ہیں، اتنا بڑا غزوہ ہو رہا ہے، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوجائیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ ہے کہ نہیں، جو ابو جہل کے لشکر سے وعدہ کرکے آئے

ہو کہ جنگ نہیں کرو گے تو مومن کا کام وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے ' لٰہذا تم اس جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا ۔ یہ ہے کہ جب وقت پڑے ' اس وقت انسان اصول کو نبھائے ' یہ نہیں کہ زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم انسانی حقوق کے علمبردار ہیں اور ہیروشیما اور ناگا ساکی پر بے گناہ بچوں کو بے گناہ عورتوں کو تہہ و بالا کر دیا کہ ان کی نسلیں تک معذور پیدا ہو رہی ہیں اور جب اپنا وقت پڑ جائے تو اس میں کوئی اخلاق کوئی کردار دیکھنے والا نہ ہو ۔ (الاصابہ ج ا ص ۳۱۶)

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق بتائے بھی اور عمل کر کے بھی دکھایا ۔ کیا حقوق بتائے ؟ اب سنئے:

اسلام میں جان کا تحفظ

انسانی حقوق میں سے سب سے پہلا حق انسان کی جان کا حق ہے ۔ ہر انسان کی جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے کہ کوئی اس کی جان پر دست درازی نہ کرے: لا تقتلو النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق کسی بھی جان کے اوپر دست درازی نہیں کی جا سکتی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیدیا اور کیا حکم دیدیا کہ جنگ میں جا رہے ہو ' کفار سے مقابلہ ہے ۔ دشمن سے مقابلہ ہے اس حال میں بھی تمہیں کسی بچے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ' کسی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ' بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ۔ عین جہاد کے موقع پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ۔ یہ پابندی ایسی نہیں ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو ' جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ صاحب زبانی طور پر تو کہہ دیا اور تہس نہس کر دیا سارے بچوں کو بھی اور عورتوں کو بھی ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرام نے اس پر عمل کر دکھایا ۔ ان کا ہاتھ کسی بوڑھے پر کسی عورت پر کسی بچے پر نہیں اٹھا ' یہ ہے جان کا تحفظ ۔

اسلام میں مال کا تحفظ

مال کا تحفظ انسان کا دوسرا بنیادی حق ہے : لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل ۔ باطل کے ساتھ ناحق طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ ۔ اس پر عمل کر کے کیسے دکھایا ؟ یہ نہیں ہے کہ تاویل کر کے توجیہ کر کے مال کھا گئے کہ جب تک اپنے

مفادات وابستہ تھے اس وقت تک بڑی دیانت تھی بڑی امانت تھی، لیکن جب معاملہ جنگ کا آگیا، دشمنی ہوگئی تو اب یہ ہے کہ صاحب تمہارے اکاؤنٹس منجمد کر دیئے جائیں گے، تمہارے اکاؤنٹس فریز کر دیئے جائیں گے، جب مقابلہ ہوگیا تو اس وقت میں حقوق انسانی غائب ہوگئے۔ اب مال کا تحفظ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال پیش کی وہ عرض کرتا ہوں۔ غزوہ خیبر ہے، یہودیوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ خیبر کے اوپر حملہ آور ہیں اور قلعہ خیبر کے گرد محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج خیبر کے قلعہ کے ارد گرد پڑی ہوئی ہے، خیبر کے اندر ایک بے چارہ چھوٹا سا چرواہا اجرت پر بکریاں چرایا کرتا تھا، اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خیبر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہوا ہے جاکر دیکھوں تو سہی، آپ کا نام تو بہت سنا ہے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں؟ بکریاں لے کر خیبر کے قلعے سے نکلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا۔ کسی سے پوچھا کہ بھائی محمد کہاں ہیں؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لوگوں نے بتایا کہ فلاں خیمے کے اندر ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا کہ اس خیمے کے اندر، یہ کھجور کا معمولی سا خیمہ جھونپڑی، اس میں اتنا بڑا سردار، اتنا بڑا نبی وہ اس خیمے کے اندر ہے؟ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو اس میں چلا گیا۔ اب جب داخل ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، جاکر کہا کہ یارسول اللہ! آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں، آپ کا پیغام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصراً بتایا، توحید کے عقیدے کی وضاحت فرمائی۔ کہنے لگا اگر میں آپ کے اس پیغام کو قبول کرلوں تو میرا کیا مقام ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے، تم ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور جو حقوق دوسروں کو حاصل ہیں، وہ تمہیں بھی حاصل ہوں گے۔ کہنے لگا آپ مجھ سے ایسی بات کرتے ہیں، مذاق کرتے ہیں ایک کالا بھجنگ چرواہا سیاہ فام، میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت کے اندر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے اور یہاں تو مجھے دھتکارا جاتا ہے، میرے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کیا جاتا ہے تو آپ یہ جو مجھے سینے سے لگائیں گے تو کس وجہ سے لگائیں گے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی مخلوق اللہ کی نگاہ میں سب برابر ہیں، اس واسطے ہم تمہیں سینے سے لگائیں گے۔ کہا

کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں مسلمان ہو جاؤں، تو میرا انجام کیا ہو گا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اسی جنگ کے اندر مر گئے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اس چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیگا اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دیگا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا، اس اللہ کے بندے کے دل پر اثر ہوا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ، عرض کیا میں مسلمان ہو گیا، اب جو حکم دیں گے وہ کرنے کو تیار ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا حکم اس کو یہ نہیں دیا کہ نماز پڑھو، یہ نہیں دیا کہ روزہ رکھو، پہلا حکم یہ دیا کہ جو بکریاں تم چرانے کیلئے لے کر آئے ہو یہ تمہارے پاس امانت ہیں، پہلے ان بکریوں کو واپس دے کر آؤ اور اس کے بعد آکر پوچھنا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ بکریاں کس کی، یہودیوں کی، جن کے اوپر حملہ آور ہیں، جن کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی ہے، جن کا مال غنیمت چھینا جارہا ہے، لیکن فرمایا کہ یہ مال غنیمت جنگ کی حالت میں چھیننا تو جائز تھا لیکن تم لے کر آئے ہو ایک معاہدہ کے تحت۔ اور اس معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مال کا تحفظ کیا جائے، اس معاہدے کا تحفظ کیا جائے، یہ ان کا حق ہے، لہٰذا ان کو پہنچا کر آؤ۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ بکریاں تو ان دشمنوں کی ہیں جو آپ کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں اور پھر آپ واپس لوٹاتے ہیں، فرمایا کہ ہاں! پہلے ان کو واپس لوٹاؤ۔ چنانچہ بکریاں واپس لوٹائی گئیں۔

کوئی مثال پیش کریگا کہ عین میدان جنگ میں عین حالت جنگ کے اندر انسانی مال کے تحفظ کا حق ادا کیا جارہا ہو؟ جب بکریاں واپس کر دیں تو آکر پوچھا کہ اب کیا کروں؟ فرمایا کہ نہ تو نماز کا وقت ہے کہ تمہیں نماز پڑھواؤں، نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ روزے رکھواؤں، نہ تمہارے پاس مال ہے کہ زکاۃ دلواؤں۔ ایک ہی عبادت اس وقت ہو رہی ہے جو کہ تلوار کی چھاؤں کے نیچے ادا کی جاتی ہے وہ ہے جہاد، اس میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس میں شامل ہو گیا، اس کا اسود راعی نام آتا ہے۔ جب جہاد ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنے جایا کرتے تھے کہ کون زخمی ہوا، کون شہید ہوا، تو دیکھا کہ ایک جگہ صحابہ کرام کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آپس میں صحابہ پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو صحابہ کرام نے بتلایا کہ یہ ایسے شخص کی

لاش ملی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب پہنچ کر دیکھا اور فرمایا تم نہیں پہچانتے' میں پہچانتا ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت الفردوس کے اندر کوثر وتسنیم سے غسل دیا ہے اور اس کے چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیا ہے' اس کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیا ہے۔

بہرحال' یہ بات کہ مال کا تحفظ ہو' محض کہہ دینے کی بات نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا۔ کافر کے مال کا تحفظ دشمن کے مال کا تحفظ' جو معاہدے کے تحت ہو۔ یہ مال کا تحفظ ہے۔

اسلام میں آبرو کا تحفظ

تیسرا انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کی آبرو محفوظ ہو۔ آبرو کی تحفظ کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں' لیکن یہ پہلی بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ انسان کی آبرو کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کی جائے' غیبت نہ کی جائے۔ آج بنیادی حقوق کا نعرہ لگانے والے بہت' لیکن کوئی اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی کا پیٹھ کے پیچھے ذکر برائی سے نہ کیا جائے' غیبت کرنا بھی حرام' غیبت سننا بھی حرام اور فرمایا کہ کسی انسان کا دل نہ توڑا جائے۔ یہ انسان کیلئے گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افقہ الصحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے ہیں' طواف کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو کتنا مقدس ہے' کتنا معظم ہے' پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے عبداللہ! یہ کعبۃ اللہ بڑا مقدس بڑا اکرم ہے' لیکن اس کائنات میں ایک چیز ایسی ہے کہ اس کا تقدس اس کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ چیز کیا؟ ایک مسلمان کی جان مال اور آبرو کہ اس کا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی جان پر مال پر آبرو پر ناحق حملہ آور ہوتا ہے تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کعبہ کے ڈھادینے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا۔

اسلام میں معاش کا تحفظ

جو انسان کے بنیادی حقوق ہیں وہ ہیں جان مال اور آبرو' ان کا تحفظ ضرور ہے۔ پھر انسان کو دنیا میں جینے کیلئے معاش کی ضرورت ہے' روزگار کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کیلئے معاش کے دروازے بند کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا۔ ایک طرف تو یہ فرمایا' جس کو کہتے ہیں فریڈم آف کنٹریکٹ (FreedomofContract)۔ معاہدے کی آزادی جو چاہے معاہدہ کرو' لیکن فرمایا کہ ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں معاشرے کے اوپر خرابی واقع ہوتی ہو' ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں دوسرے آدمی پر رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو وہ حرام ہے' فرمایا لایبع حاضر لباد کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ ایک آدمی دیہات سے مال لے کر آیا مثلاً زرعی پیداوار' ترکاریاں لے کر شہر میں فروخت کرنے کیلئے آیا تو کوئی شہری اس کا آڑھتی نہ بنے' اس کا وکیل نہ بنے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے اگر دو آدمیوں کے درمیان آپس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ میں تمہارا مال فروخت کروں گا' تمہارے سے اجرت لوں گا تو اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جو شہری ہے' وہ مال لے کر بیٹھ جائے گا تو احتکار کرے گا اور بازار کے اوپر اپنی اجارہ داری قائم کریگا۔ اس اجارہ داری قائم کرنے کے نتیجے میں دوسرے لوگوں پر معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس واسطے فرمایا: لایبع حاضر لباد۔ تو کسب معاش کا حق ہر انسان کا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسرے کیلئے معیشت کے دروازے بند نہ کرے۔ یہ نہیں کہ سود کھا کھا کر' قمار کھیل کھیل کر' گیمبلنگ کر کر کے' سٹہ کھیل کھیل کر آدمی نے اپنے لئے دولت کے انبار جمع کر لئے اور دولت کے انباروں کے ذریعے سے وہ پورے بازار کے اوپر قابض ہو گیا' کوئی دوسرا آدمی اگر کسب معاش کیلئے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے دروازے بند ہیں۔ یہ نہیں' بلکہ کسب معاش کا تحفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا اور فرمایا:

دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم ببعض

لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائیں گے۔ یہ کسب معاش کا تحفظ ہے۔ جتنے حقوق عرض کر رہا ہوں' یہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے اور متعین فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

اسلام اور عقیدے کا تحفظ

عقیدے اور دیانت کے اختیار کرنے کا تحفظ' کہ اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہے تو اس کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ کوئی زبردستی جاکر مجبور کر کے اسے دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور کرے: لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ دین کے اندر کوئی جبر نہیں۔ اگر ایک عیسائی ہے تو عیسائی رہے' ایک یہودی ہے تو یہودی رہے' قانوناً اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ اس کو تبلیغ کی جائے گی دعوت دی جائے گی' اس کو حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کی جائے گی' لیکن اس کے اوپر یہ پابندی نہیں ہے کہ زبردستی اس کو اسلام میں داخل کیا جائے۔ ہاں البتہ اگر ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے محاسن اس کے سامنے آگئے' تو اب اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے وہ اس دین کو برملا چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کرے۔ اس واسطے کہ اگر وہ ارتداد کا راستہ اختیار کریگا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے میں فساد پھیلائے گا اور فساد کا علاج آپریشن ہوتا ہے' لہٰذا اس فساد کا آپریشن کر دیا جائے گا اور معاشرے میں اس کو فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

بہرحال کسی کی عقل میں بات آئے یا نہ آئے' کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے' میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ان معاملات کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد فراہم فرمائی ہے۔ حق وہ ہے جسے اللہ مانے' حق وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانیں' اس سے باہر حق نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص عقیدے کو اختیار کرنے میں شروع میں آزاد ہے' ورنہ اگر مرتد ہونا جرم نہ ہوتا تو اسلام کے

دشمن اسلام کو بازیچہ اطفال بناکر دکھلاتے۔ کتنے لوگ تماشا دکھانے کیلئے اسلام میں داخل ہوتے اور نکلتے، قرآن کریم میں ہے لوگ یہ کہتے ہیں صبح کو اسلام میں داخل ہوجاؤ اور شام کو کافر ہوجاؤ تو یہ تماشا بنا دیا گیا ہوتا۔ اس واسطے دارالاسلام میں داخل رہتے ہوئے ارتداد کی گنجائش نہیں دی جائے گی، اگر واقعتاً دیانت داری سے تمہارا کوئی عقیدہ ہے تو پھر دارالاسلام سے باہر جاؤ، باہر جاکر جو چاہو کرو، لیکن دارالاسلام میں رہتے ہوئے فساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل

بہرحال، یہ موضوع تو بڑا طویل ہے لیکن پانچ مثالیں میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں (۱) جان کا تحفظ (۲) مال کا تحفظ (۳) آبرو کا تحفظ (۴) عقیدے کا تحفظ (۵) کسب معاش کا تحفظ۔ یہ انسان کی پانچ بنیادی ضروریات ہیں۔ یہ پانچ مثالیں میں نے پیش کیں، لیکن ان پانچ مثالوں میں جو بنیادی بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والے تو اس کے بہت ہیں، لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کے جان و مال و آبرو کا تحفظ کیا جائے، ایک موقع پر بیت المقدس سے فوج بلاکر کسی اور محاذ پر بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ زبردست ضرورت داعی تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی بیت المقدس میں جو کافر رہتے ہیں، ہم نے ان کے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر فوج کو یہاں سے ہٹالیں گے تو ان کا تحفظ کون کریگا؟ ہم نے ان سے اس کام کیلئے جزیہ لیا ہے، لیکن ضرورت بھی شدید ہے۔ چنانچہ انہوں نے سارے غیر مسلموں کو بلاکر کہا کہ بھائی ہم نے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لی تھی، اس کی خاطر تم سے یہ ٹیکس بھی وصول کیا تھا، اب ہمیں فوج کی ضرورت پیش آگئی ہے، جس کی وجہ سے ہم تمہارا تحفظ کما حقہ نہیں کر سکتے اور فوج کو یہاں نہیں رکھ سکتے، لہٰذا فوج کو ہم دوسری جگہ ضرورت کی خاطر بھیج رہے ہیں تو جو ٹیکس تم سے لیا گیا تھا وہ سارا تم کو واپس کیا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن پر کہنے والے ظالموں نے کیسے کیسے بہتانوں کی بارش کی ہے' ان کا واقعہ ابو داؤد میں موجود ہے کہ روم کے ساتھ لڑائی کے دوران جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا' جنگ بندی ہو گئی' ایک خاص تاریخ تک یہ طے ہو گیا کہ جنگ بندی رہے گی' کوئی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریگا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے دانش مند بزرگ تھے' انہوں نے یہ سوچا کہ جس تاریخ کو معاہدہ ختم ہو رہا ہے' اس تاریخ کو فوجیں لے جاکر سرحد کے پاس ڈال دیں کہ ادھر آفتاب غروب ہو گا اور تاریخ بدلے گی' ادھر حملہ کر دیں گے' کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ دشمن کو یہ خیال ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گی' کہیں دور سے چلیں گے' تو وقت لگے گا' اس واسطے انہوں نے سوچا کہ پہلے فوج لے جاکر سرحد پر ڈال دیں۔ چنانچہ سرحد پر فوج لے جاکر ڈال دی اور ادھر اس تاریخ کا آفتاب غروب ہوا جو جنگ بندی کی تاریخ تھی اور اندھر انہوں نے حملہ کر دیا' روم کے اوپر یلغار کر دی اور وہ بے خبر اور غافل تھے' اس واسطے بہت تیزی کے ساتھ فتح کرتے چلے گئے' زمین کی زمین خطے کے خطے فتح ہو رہے ہیں۔ جاتے جاتے جب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے سے دیکھا گھوڑے پر ایک شخص سوار دور سے سرپٹ دوڑا چلا آرہا ہے اور آواز لگا رہا ہے بقفوا عباد اللہ اعباد اللہ! اللہ کے بندو رکو! اللہ کے بندو رکو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رک گئے' دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ قریب تشریف لائے' فرمایا وفا لاغدر مومن کا شیوہ وفاداری ہے غداری نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تو کوئی غداری نہیں کی۔ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ان کانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔

من کان بینہ و بین قوم عہد فلا یحلنہ ولا یشدنہ حتی یمضی املہ او ینبذ علیھم علی سواء (ترمذی کتاب الجہاد' باب فی الغدر' حدیث نمبر ۱۵۸۰)

جب کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا سا بھی

تغیر نہ کرے 'نہ کھولے نہ باندھے ' یہاں تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے اور یا ان کے سامنے کھل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمہارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں ۔ اور آپ نے معاہدہ کے دوران سرپر فوجیں لاکر ڈال دیں اور شاید اندر بھی تھوڑا گھس گئے ہوں تو اس واسطے آپ نے یہ معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یہ جو آپ نے علاقہ فتح کیا ہے یہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے ۔ اب اندازہ لگایئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح کے نشے میں جارہے ہیں ' علاقے کے علاقے فتح ہورہے ہیں ' لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ساری فوج کیلئے حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج واپس لوٹ جائے اور یہ مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا جائے ۔ چنانچہ پورا مفتوحہ علاقہ خیال کر دیا ۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوحہ علاقے کو اس وجہ سے خالی کیا ہو کہ اس میں معاہدے کی پابندی کے اندر ذرا سی اوچھ رہ گئی تھی ' لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ' انہوں نے یہ کر کے دکھایا ۔

بات تو جتنی بھی طویل کی جائے ختم نہیں ہو سکتی ' لیکن خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ کون انسانی حقوق کا تعین کریگا کون نہیں کریگا ۔ دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق بیان فرمائے ان پر عمل کر کے دکھایا ۔ حقوق ہی وہ متعین کئے گئے جن پر عمل کیا جائے ۔

آجکل کے ہیومن رائٹس

آج کہنے کیلئے ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھاپ کر دنیا بھر میں تقسیم کر دیئے گئے کہ یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں ' لیکن یہ ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ ' جس میں بے گناہ افراد سفر کر رہے ہیں ' اس کو گرا دیں ' اس میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا اور مظلوموں کے اوپر مزید ظلم و ستم کے شکنجے کسے جائیں ' اس میں کوئی باک نہیں ہوتا ۔ ہیومن رائٹس اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے مفادات کے اوپر کوئی زد پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیومن رائٹس

کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ جو باطل پروپیگنڈہ ہے اس کی حقیقت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یاد رکھئے کہ بعض لوگ اس پروپیگنڈے سے مرعوب ہوکر مغلوب ہوکر یہ معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ جوڑکر یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہمارے ہاں تو یہ بات نہیں ہے، ہمارے ہاں تو اسلام نے فلاں حق دیا ہے اور اس کام کیلئے قرآن کو سنت کو توڑ مروڑکر کسی نہ کسی طرح ان کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، یاد رکھئے ولن ترضي عنك اليهود ولا النصاري حتي تتبع ملتهم ۔قل ان هدي الله هو الهدي (یہ یہود اور نصاریٰ آپ سے ہرگز اس وقت تک خوش نہیں ہونگے، جب تک آپ ان کے دین کی اتباع نہیں کریں گے) لہٰذا جب تک اس پر نہیں آؤ گے کہ کتنا ہی کوئی اعتراض کرے، لیکن ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے عطا فرمائی، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، لہٰذا کبھی ان نعروں سے مرعوب اور مغلوب نہ ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

شب برات کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۴

صفحات :

امت مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں۔ یعنی صحابہ کرام کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور، ان میں اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے، لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں لہٰذا اس کو بدعت کہنا، یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں جاگ کر عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے، اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شب برات کی حقیقت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً ۔ امابعد!

شعبان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ اور اس ماہ میں ایک مبارک رات آنے والی ہے، جس کا نام "شب برات" ہے۔ چونکہ اس رات کے بارے میں بعض حضرات، کا خیال یہ ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ اور اس رات میں جاگنا، اور اس رات میں عبادت کو خصوصی طور پر باعث اجر و ثواب سمجھنا بے بنیاد ہے، بلکہ بعض حضرات نے اس رات میں عبادت کو بدعت سے بھی تعبیر کیا ہے، اس لئے لوگوں کے ذہنوں میں اس رات کے بارے میں مختلف سوالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے اس کے بارے میں کچھ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

دین اتباع کا نام ہے

اس سلسلے میں مختصراً گزارش یہ ہے کہ میں آپ حضرات سے بار بار یہ بات عرض

کر چکا ہوں کہ جس چیز کا ثبوت قرآن میں یا سنت میں یا صحابہ کرام کے آثار میں، تابعین بزرگان دین کے عمل میں نہ ہو، اس کو دین کا حصہ سمجھنا بدعت ہے۔ اور میں ہمیشہ یہ بھی کہتا رہا ہوں کہ اپنی طرف سے ایک راستہ گھڑ کر اس پر چلنے کا نام دین نہیں ہے۔ بلکہ دین اتباع کا نام ہے۔ کس کی اتباع؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، آپ کے صحابہ کرام کی اتباع، تابعین اور بزرگان دین کی اتباع ــ اب اگر واقعۃً یہ بات درست ہو کہ اس رات کی کوئی فضیلت ثابت نہیں تو بیشک اس رات کو کوئی خصوصی اہمیت دینا بدعت ہو گا، جیسا کہ شب معراج کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ شب معراج میں کسی عبادت کا ذکر قرآن و سنت میں موجود نہیں۔

اس رات کی فضیلت بے بنیاد نہیں

لیکن واقعہ یہ ہے کہ شب برات کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی فضیلت بیان فرمائی، ان میں سے بعض احادیث سند کے اعتبار سے بیشک کچھ کمزور ہیں، اور ان احادیث کے کمزور ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ اس رات کی فضیلت بے اصل ہے، لیکن حضرات محدثین اور فقہاء کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر ایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہو، لیکن اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہو جائے تو اس کی کمزوری دور ہو جاتی ہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دس صحابہ کرام سے اس کی فضیلت میں روایات موجود ہیں۔ لہٰذا جس رات کی فضیلت میں دس صحابہ کرام سے روایات مروی ہوں۔ اس کو بے بنیاد اور بے اصل کہنا بالکل غلط ہے۔

شب برات اور خیر القرون

امت مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں، یعنی صحابہ کرام کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور، اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ لوگ اس رات کے اندر عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کو

بدعت کہنا، یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں جاگنا، اس میں عبادت کرنا باعث اجر و ثواب ہے، اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

کوئی خاص عبادت مقرر نہیں

البتہ یہ بات درست ہے کہ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقہ سے عبادت کی جائے۔ جیسے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے ایک طریقہ گھڑ کر یہ کہہ دیا کہ شب برات میں اس خاص طریقے سے نماز پڑھی جاتی ہے، مثلاً پہلی رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے۔ دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے، بلکہ نفلی عبادات جس قدر ہو سکے، وہ اس رات میں انجام دی جائے نفلی نماز پڑھیں قرآن کریم کی تلاوت کریں۔ ذکر کریں۔ تسبیح پڑھیں۔ دعائیں کریں یہ ساری عبادتیں اس رات میں کی جا سکتی ہیں، لیکن کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں۔

اس رات میں قبرستان جانا

اس رات میں ایک اور عمل ہے، جو ایک روایت سے ثابت ہے، وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے، اب چونکہ حضور اس رات میں جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے مسلمان اس بات کا اہتمام کرنے لگے کہ شب برات میں قبرستان جائیں۔ لیکن میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ایک بڑی کام کی بات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے۔ فرماتے تھے کہ جو چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس درجے میں ثابت ہو، اسی درجہ میں اسے رکھنا چاہئے۔ اس سے آگے نہیں بڑھانا چاہئے، لہٰذا ساری حیات طیبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ جنت البقیع جانا مروی ہے، کہ آپ شب برات میں جنت البقیع تشریف لے گئے۔ چونکہ ایک مرتبہ جانا مروی ہے، اس لئے تم بھی اگر زندگی میں ایک مرتبہ چلے جاؤ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہر شب برات میں

جانے کا اہتمام کرنا۔ التزام کرنا، اور اس کو ضروری سمجھنا، اور اس کو شب برات کے ارکان میں داخل کرنا اور اس کو شب برات کا لازمی حصہ سمجھنا، اور اس کے بغیر یہ سمجھنا کہ شب برات نہیں ہوئی، یہ اس کو اس کے درجے سے آگے بڑھانے والی بات ہے۔ لہٰذا اگر کبھی کوئی شخص اس نقطہ نظر سے قبرستان چلا گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے، میں بھی آپ کی اتباع میں جارہا ہوں۔ تو انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا، لیکن اس کے ساتھ یہ کرو کہ کبھی نہ بھی جاؤ، لہٰذا اہتمام اور التزام نہ کرو، پابندی نہ کرو۔ یہ در حقیقت دین کی سمجھ کی بات ہے۔ کہ جو چیز جس درجہ میں ثابت ہو، اس کو اسی درجہ میں رکھو، اس سے آگے مت بڑھاؤ۔ اور اس کے علاوہ دوسری نفل عبادت ادا کر لو۔

نوافل گھر پہ ادا کریں

میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ اس رات میں اور شب قدر میں نفلوں کی جماعت کرتے ہیں، پہلے صرف شبینہ با جماعت ہوتا تھا، اب سنا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کی بھی جماعت ہونے لگی ہے، یہ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت کسی طرح بھی ثابت نہیں، ناجائز ہے۔ اس کے بارے میں ایک اصول سن لیجئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ فرض نماز کے علاوہ اور ان نمازوں کے علاوہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے با جماعت ادا کرنا ثابت ہیں، مثلاً تراویح، کسوف اور استسقاء کی نماز ان کے علاوہ ہر نماز کے بارے میں افضل یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں ادا کرے، صرف فرض نماز کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر صرف افضل نہیں، بلکہ سنت موکدہ قریب بواجب ہے کہ اس کو مسجد میں جاکر جماعت سے ادا کرے۔ لیکن سنت اور نفل میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں ادا کرے۔ لیکن جب فقہاء نے یہ دیکھا کہ لوگ گھر جاکر بعض اوقات سنتوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ بھی فرما دیا کہ اگر سنتیں چھوٹنے کا خوف ہو تو مسجد ہی میں پڑھ لیا کریں۔ تاکہ چھوٹ نہ جائیں، ورنہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ گھر میں جاکر ادا کریں، اور نفل کے بارے میں تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ نفل نماز میں افضل یہ ہے کہ اپنے گھر میں ادا کرے، اور نفلوں کی جماعت حنفیہ کے

نزدیک مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، یعنی اگر جماعت سے نفل پڑھ لئے تو ثواب تو کیا ملے گا۔ الٹا گناہ ملے گا،

فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں

بات دراصل یہ ہے کہ فرائض دین کا شعار ہیں، دین کی علامت ہیں لہٰذا ان کو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ضروری ہے، کوئی آدمی یہ سوچ کر کہ اگر میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھوں گا تو اس میں ریاکاری کا اندیشہ ہے، اس لئے میں گھر ہی میں نماز پڑھ لوں، اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، اس کو حکم یہ ہے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھے، اس لئے کہ اس کے ذریعہ دین اسلام کا ایک شعار ظاہر کرنا مقصود ہے، دین اسلام کی ایک شوکت کا مظاہرہ مقصود ہے، اس لئے اس کو مسجد ہی میں ادا کرو۔

نوافل میں تنہائی مقصود ہے

لیکن نفل ایک ایسی عبادت ہے، جس کا تعلق بس بندہ اور اس کے پروردگار سے ہے، بس تم ہو اور تمہارا اللہ ہو، تم ہو اور تمہارا پروردگار ہو، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تلاوت اتنی آہستہ سے کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ:

"اسمعت من ناجیت"

(ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رفع الصوت، حدیث نمبر ۱۳۲۹)

یعنی جس ذات سے یہ مناجات کر رہا ہوں، اس کو سنا دیا، اب دوسروں کو سنانے کی کیا ضرورت ہے؟ ___ لہٰذا نفلی عبادت کا تو حاصل یہ ہے کہ وہ ہو اور اس کا پروردگار ہو، کوئی تیسرا شخص درمیان میں حائل نہ ہو، اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ براہ راست مجھ سے تعلق قائم کرے، اس لئے نفلی عبادتوں میں جماعت اور اجتماع کو مکروہ قرار دے دیا، اور یہ حکم دے دیا کہ اکیلے آؤ، تنہائی اور خلوت میں آؤ، اور ہم سے براہ راست رابطہ قائم کر، وہ یہ خلوت اور تنہائی کتنا بڑا انعام ہے، ذرا غور تو کرو، بندہ کو کتنے بڑے انعام سے نوازا جا رہا ہے، کہ خلوت اور تنہائی میں ہمارے پاس آؤ۔

تنہائی میں ہمارے پاس آؤ

بادشاہ کا ایک عام دربار ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت کی نماز اللہ تعالیٰ کا عام دربار ہے، دوسرا خاص دربار ہوتا ہے۔ جو خلوت اور تنہائی کا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب تم ہمارے عام دربار میں حاضر دیتے ہو، تو اب ہم تمہیں خلوت اور تنہائی کا بھی موقع دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس تنہائی کے موقع کو جلوت میں تبدیل کر دے، اور جماعت بنا دے تو ایسا شخص اس خاص دربار کی نعمت کی ناقدری کر رہا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ تم تنہائی میں آؤ، ہم سے مناجات کرو، ہم تنہائی میں تمہیں نوازیں گے۔ لیکن تم ایک جم غفیر اکٹھا کر کے لے جارہے ہو۔

تم نے اس نعمت کی ناقدری کی

مثلاً اگر کوئی بادشاہ ہے، تم اس سے ملاقات کے لئے دربار میں گئے، وہ بادشاہ تم سے یہ کہے کہ آج رات کو ۹ نو بجے تنہائی میں میرے پاس آجانا، تم سے کچھ پرائیویٹ بات کرنی ہے، جب رات کے نو بجے تو آپ نے اپنے دوستوں کا ایک جمگھٹا اکٹھا کر لیا، اور سب دوستوں کو لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو گئے، بتائیے کہ آپ نے اس بادشاہ کی قدر کی یا ناقدری کی؟ اس نے تو تمہیں یہ موقع دیا تھا کہ تم تنہائی میں میرے پاس آؤ، تم سے تنہائی میں باتیں کرنی تھیں، تمہیں خلوت میں خاص ملاقات کا موقع دینا تھا۔ اور اپنے ساتھ رابطہ اور تعلق استوار کرنا تھا۔ اور تم پوری ایک جماعت بنا کر اس کے پاس لے گئے، تو یہ تم نے اس کی ناقدری کی۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفلی عبادت کی اس طرح ناقدری نہ کرو، نفلی عبادت کی قدر یہ ہے کہ تم ہو، اور تمہارا اللہ ہو، تیسرا کوئی نہ ہو، لہٰذا نفلی عبادات جتنی بھی ہیں، ان سب کے اندر اصول یہ بیان فرما دیا کہ تنہائی میں اکیلے عبادت کرو، اس کے اندر جماعت کے مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو یہ ندا دی جارہی ہے کہ:

الاهل من مستغفر فاغفر له

کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں؟ یہاں لفظ "مستغفر" مفرد کا صیغہ استعمال کیا، یعنی کوئی تنہائی میں مغفرت کرنے والا ہے، تنہائی میں مجھ سے رحمت طلب کرنے والا ہے، اب اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ تنہائی میں میرے پاس آکر مجھ سے مانگو، لیکن ہم نے یہ کیا کہ شبینہ کا انتظام کیا، چراغاں کیا، اور لوگوں کو اس کی دعوت دی کہ میرے پاس آکر میری اس خلوت میں شریک ہو جاؤ، حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کے انعام کی ناقدری ہے، لہٰذا شبینہ ہو، یا صلاۃ التسبیح کی جماعت ہو، یا کوئی اور نفلی جماعت ہو، یہ سب ناجائز ہے۔

گوشہ تنہائی کے لمحات

یہ فضیلت والی راتیں شور و شغب کی راتیں نہیں ہیں، میلے ٹھیلے کی راتیں نہیں۔ یہ اجتماع کی راتیں نہیں، بلکہ یہ راتیں اس لئے ہیں کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات استوار کر لو، اور تمہارے اور اس کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہم خبر نیست

لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ اگر تنہائی میں عبادت کرنے بیٹھتے ہیں تو نیند آجاتی ہے، مسجد میں شبینہ اور روشنی ہوتی ہے اور ایک جم غفیر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیند پر قابو پانے میں آسانی ہو جاتی ہے ۔ ارے، اس بات پر یقین کرو کہ اگر تمہیں چند لمحات گوشہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے میسر آگئے تو وہ چند لمحات اس ساری رات سے بدرجہا بہتر ہیں جو تم نے میلے میں گزاری ۔ اس لئے کہ تنہائی میں جو وقت گزارا وہ سنت کے مطابق گزارا، اور میلے میں جو وقت گزارا، وہ خلاف سنت گزارا، وہ رات اتنی قیمتی نہیں، جتنے وہ چند لمحات قیمتی ہیں جو آپ نے اخلاص کے ساتھ ریا کے بغیر گوشہ تنہائی میں گزار لئے۔

وہاں گھنٹے شمار نہیں ہوتے

میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ اپنی عقل کے مطابق کام کرنے کا نام دین نہیں، اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ ان کے کہنے پر عمل کرنے کا نام دین ہے، ان کی پیروی اور اتباع کا نام دین ہے ـــ یہ بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہارے گھنٹے شمار کرتے ہیں کہ تم نے مسجد میں کتنے گھنٹے گزارے؟ وہاں گھنٹے شمار نہیں کئے جاتے، وہاں تو اخلاص دیکھا جاتا ہے۔ اگر چند لمحات بھی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ میں میسر آگئے، تو وہ چند لمحات ہی انشاء اللہ بیڑا پار کر دیں گے، لیکن اگر آپ نے عبادت میں کئی گھنٹے گزار دیئے، مگر سنت کے خلاف گزارے تو اس کا کچھ بھی حاصل نہیں۔

اخلاص مطلوب ہے

میرے شیخ حضرات ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ بڑے کیف کے عالم میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تم لوگ سجدے میں جاتے ہو تو سجدے میں "سبحان ربی الاعلی" کئی مرتبہ کہتے ہو، لیکن مشین کی طرح زبان پر یہ تسبیح جاری ہو جاتی ہے، لیکن اگر کسی دن یہ کلمہ "سبحان ربی الاعلی" ایک مرتبہ اخلاص کے ساتھ دل سے نکل گیا تو یقین کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس ایک مرتبہ "سبحان ربی الاعلی" کی بدولت بیڑہ پار کر دیں گے۔

لہٰذا یہ مت خیال کرو کہ اگر تنہا گھر میں رہ کر عبادت کریں گے تو نیند آجائے گی۔ اس لئے کہ اگر نیند آجائے تو سو جاؤ، لیکن چند لمحات جو عبادت میں گزارو، وہ سنت کے مطابق گزارو ـــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن شریف پڑھتے پڑھتے نیند آجائے تو سو جاؤ، اور سو کر تھوڑی سی نیند پوری کر لو، اور پھر اٹھ جاؤ، اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی حالت میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے تمہارے منہ سے کوئی لفظ غلط نکل جائے ـــ لہٰذا ایک آدمی ساری رات سنت کے خلاف جاگ رہا ہے، اور دوسرا آدمی صرف ایک گھنٹے جاگا، لیکن سنت کے مطابق جاگا، اور اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق جاگا، تو یہ دوسرا شخص پہلے شخص سے کئی درجہ بہتر ہے۔

ہر عبادت کو حد پر رکھو

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کی گنتی نہیں ہے، بلکہ اعمال کا وزن ہے، وہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے عمل میں کتنا وزن ہے؟ لہٰذا اگر تم نے گنتی کے اعتبار سے اعمال تو بہت کر لئے، لیکن ان میں وزن پیدا نہیں کیا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ــ اس لئے فرمایا کہ نیند آجائے تو پڑ کر سو جاؤ، اور پھر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اٹھ کر پھر عبادت میں لگ جاؤ، لیکن سنت کے خلاف کام نہ کرو، لہٰذا جو عبادت جماعت کے ساتھ جس حد تک ثابت ہو، اسی حد تک کرو، مثلاً فرض کی جماعت ثابت ہے، رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت ثابت ہے، رمضان میں وتر کی جماعت ثابت ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ کی جماعت واجب علی الکفایہ ہے، عیدین کی نماز با جماعت ثابت ہے، نماز استسقاء اور نماز کسوف اگرچہ سنت ہے، لیکن ان دونوں میں چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ثابت ہے، اور شعائر اسلام میں سے ہیں، لہٰذا ان کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہے، ان کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں، ان میں جماعت نہیں ہے، ان میں تو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ مجھ سے تنہائی میں ملاقات کرے، اللہ تعالیٰ نے تنہائی میں ملاقات کا جو اعزاز بخشا ہے، یہ معمولی اعزاز نہیں ہے، اس اعزاز کی قدر کرنی چاہئے ــ

عورتوں کی جماعت

ایک مسئلہ عورتوں کی جماعت کا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کی جماعت پسندیدہ نہیں ہے، چاہے وہ فرض نماز کی جماعت ہو، یا سنت کی ہو، یا نفل کی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ حکم فرما دیا کہ اگر تمہیں عبادت کرنی ہے تو تنہائی میں کرو، جماعت عورتوں کے لئے پسندیدہ نہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دین اصل میں شریعت کے اتباع کا نام ہے، اب یہ مت کہو کہ ہمارا تو اس طرح عبادت کرنے کو دل چاہتا ہے، اس دل کے چاہنے کو چھوڑ دو، اس لئے کہ دل تو بہت ساری چیزوں کو چاہتا ہے اور صرف دل چاہنے کی وجہ سے کوئی چیز دین میں داخل نہیں ہو جاتی، جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں کیا، اس کو محض دل چاہنے کی وجہ سے نہ کرنا چاہئے۔

شب برات اور حلوہ

بہر حال! یہ شب برات ــ الحمد للہ ــ فضیلت کی رات ہے، اور اس رات میں جتنی عبادت کی توفیق ہو، اتنی عبادت کرنی چاہئے ــ باقی جو اور فضولیات اس رات میں حلوہ وغیرہ پکانے کی شروع کر لی گئی ہیں، ان کو بیان کرنی کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ شب برات کا حلوے سے کوئی تعلق نہیں، اصل بات یہ ہے کہ شیطان ہر جگہ اپنا حصہ لگا لیتا ہے، اس نے سوچا کہ اس شب برات میں مسلمانوں کے گناہوں کی مغفرت کی جائے گی، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں۔

شیطان نے سوچا کہ اگر اتنے سارے آدمیوں کی مغفرت ہو گئی پھر تو میں لٹ گیا، اس لئے اس نے اپنا حصہ لگا دیا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو یہ سکھا دیا کہ شب برات آئے تو حلوہ پکایا کرو، ویسے تو سارے سال کے کسی دن بھی حلوہ پکانا جائز اور حلال ہے، جس شخص کا جب دل چاہے، پکا کر کھالے، لیکن شب برات سے اس کا کیا تعلق؟ نہ قرآن میں اس کا ثبوت ہے، نہ حدیث میں اس کے بارے میں کوئی روایت، نہ صحابہ کے آثار میں۔ نہ تابعین کے عمل میں، اور بزرگان دین کے عمل میں کہیں اس کا کوئی تذکرہ نہیں، لیکن شیطان نے لوگوں کو حلوہ پکانے میں لگا دیا، چنانچہ سب لوگ پکانے اور کھانے میں لگ گئے۔ اب یہ حال ہے کہ عبادت کا اتنا اہتمام نہیں، جتنا اہتمام حلوہ پکانے کا ہے۔

بدعات کی خاصیت

ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب آدمی بدعات کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد پھر اصل سنت کے کاموں کی توفیق کم ہو جاتی ہے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو لوگ صلوٰۃ التسبیح کی جماعت میں دیر تک کھڑے رہتے ہیں۔ وہ لوگ پانچ وقت کی فرض جماعتوں میں کم نظر آئیں گے۔ اور جو لوگ بدعات

کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مثلاً حلوہ مانڈا کرنے اور کونڈے میں لگے ہوئے ہیں، وہ فرائض سے غافل ہوتے ہیں، نمازیں قضا ہو رہی ہیں، جماعتیں چھوٹ رہی ہیں۔ اس کی تو کوئی فکر نہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سب سے زیادہ تاکید اس کی فرمائی تھی کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی میراث شریعت کے مطابق جلدی تقسیم کرو، لیکن اب یہ ہو رہا ہے کہ میراث تقسیم کرنے کی طرف تو دھیان نہیں ہے، مگر تیجہ ہو رہا ہے۔ دسواں ہو رہا ہے، چالیسواں ہو رہا ہے، برسی ہو رہی ہے۔ لہٰذا بدعات کی خاصیت یہ ہے کہ جب انسان اس کے اندر مبتلا ہوتا ہے تو سنت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، اور سنت والے اعمال کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔ بہرحال ان فضولیات اور بدعات سے تو بچنا چاہئے، باقی یہ رات فضیلت کی رات ہے، اور اس رات کے بارے میں بعض لوگوں نے جو خیال ظاہر کیا ہے کہ اس رات میں کوئی فضیلت ثابت نہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

پندرہ شعبان کا روزہ

ایک مسئلہ شب برات کے بعد والے دن یعنی پندرہ شعبان کے روزے کا ہے، اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ سارے ذخیرہ حدیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت میں ہے کہ شب برات کے بعد والے دن روزہ رکھو۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے لہٰذا اس روایت کی وجہ سے خاص اس پندرہ شعبان کے روزے کو سنت یا مستحب قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں۔ البتہ پورے شعبان کے مہینے میں روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے یعنی یکم شعبان سے ستائیس شعبان تک روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے لیکن ۲۸ اور ۲۹ شعبان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ رمضان سے ایک دو روز پہلے روزہ مت رکھو۔ تاکہ رمضان کے روزوں کے لئے انسان نشاط کے ساتھ تیار رہے، لیکن یکم شعبان سے ۲۷ / شعبان تک ہر دن روزہ رکھنے میں فضیلت ہے، دوسرے یہ کہ یہ پندرہ تاریخ ایام بیض میں سے بھی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہر ماہ کے ایام بیض میں تین دن روزہ رکھا کرتے تھے،

یعنی ۱۳ / ۱۴ / ۱۵ تاریخ کو لہٰذا اگر کوئی شخص ان دو وجہ سے ۱۵ / تاریخ کا روزہ رکھے ایک اس وجہ سے کہ یہ شعبان کا دن ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ ۱۵ / تاریخ ایام بیض میں داخل ہے اگر اس نیت سے روزہ رکھ لے تو انشاء اللہ موجب اجر ہو گا، لیکن خاص پندرہ تاریخ کی خصوصیت کے لحاظ سے اس روزے کو سنت قرار دینا بعض علماء کے نزدیک درست نہیں۔ اسی وجہ سے اکثر فقہاء کرام نے جہاں مستحب روزوں کا ذکر کیا ہے، وہاں محرم کی دس تاریخ کے روزے کا ذکر کیا ہے، یوم عرفہ کے روزے کا ذکر کیا ہے، لیکن پندرہ شعبان کے روزے کا علیحدہ سے ذکر نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ شعبان کے کسی بھی دن بھی روزہ رکھنا افضل ہے، بہر حال اگر اس نقطہ نظر سے کوئی شخص روزہ رکھ لے تو انشاء اللہ اس پر ثواب ہو گا۔ باقی کسی دن کی کوئی خصوصیت نہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہر معاملے کو اس کی حد کے اندر رکھنا ضروری ہے، ہر چیز کو اس کے درجہ کے مطابق رکھنا ضروری ہے، دین اصل میں حدود کی حفاظت ہی کا نام ہے۔ اپنی طرف سے عقل لڑا کر آگے پیچھے کرنے کا نام دین نہیں، لہٰذا اگر ان حدود کی رعایت کرتے ہوئے کوئی شخص روزہ رکھے تو بہت اچھی بات ہے، انشاء اللہ اس پر اجر و ثواب ملے گا، لیکن اس روزے کو باقاعدہ سنت قرار دینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بحث و مباحثہ سے پرہیز کریں

یہ شب برات اور اس کے روزے کے احکام کا خلاصہ ہے، بس ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کیا جائے، باقی اس بارے میں بہت زیادہ بحث و مباحثے میں نہیں پڑنا چاہئے، آج کل یہ مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ اگر کسی نے کوئی بات کہہ دی تو اس پر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ جب کسی ایسے شخص سے کوئی بات سنی ہے جس پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ ہے، تو بس اسی پر عمل کر لو، کوئی دوسرا شخص دوسری بات کہتا ہے تو پھر بحث میں مت پڑو، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بحث میں پڑنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

المراء يطفئ نور العلم

یعنی اس قسم کے معاملات میں آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا یا بحث و مباحثہ کرنا علم کے نور کو زائل کر دیتا ہے، ہمارے ایک شاعر اکبر الٰہ آبادی مرحوم گزرے ہیں۔ اس بارے میں ان کا ایک شعر بڑا اچھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ۔

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

یہ مذہبی بحث جس میں فضول وقت ضائع ہو، اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اور جن لوگوں کے پاس فالتو عقل ہوتی ہے۔ وہ اس قسم کی بحث و مباحثے میں پڑتے ہیں، اس لئے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جس عالم پر تم کو بھروسہ ہو، اس کے کہنے پر عمل کر لو، انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری نجات ہو جائے گی، اگر کوئی دوسرا عالم دوسری بات کہہ رہا ہے، تو پھر تمہیں اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں، بس: سیدھا راستہ یہی ہے۔

رمضان کے لئے پاک صاف ہو جاؤ

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ اس رات کی فضیلت کو بے اصل کہنا غلط ہے، اور مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شب برات رمضان المبارک سے دو ہفتے پہلے رکھی ہے۔ یہ در حقیقت رمضان المبارک کا استقبال ہے، رمضان کی ریہرسل ہو رہی ہے۔ رمضان کی تیاری کرائی جا رہی ہے کہ تیار ہو جاؤ، اب وہ مقدس مہینہ آنے والا ہے، جس میں ہماری رحمتوں کی بارش برسنے والی ہے، جس میں ہم مغفرت کے دروازے کھولنے والے ہیں، اس کے لئے ذرا تیار ہو جاؤ۔

دیکھئے: جب آدمی کسی بڑے دربار میں جاتا ہے، تو جانے سے پہلے اپنے آپ کو پاک صاف کرتا ہے، نہاتا دھوتا ہے، کپڑے وغیرہ بدلتا ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کا عظیم دربار رمضان کی صورت میں کھلنے والا ہے تو اس دربار میں حاضری سے پہلے ایک رات دے دی۔ اور یہ فرمایا کہ آؤ، ہم تمہیں اس رات کے اندر نہلا دھلا کر پاک صاف کر دیں۔ گناہوں سے پاک صاف کریں، تاکہ ہمارے ساتھ تمہارا تعلق صحیح معنی میں قائم

ہو جائے، اور جب یہ تعلق قائم ہو گا، اور تمہارے گناہ دھلیں گے تو اس کے بعد تم رمضان المبارک کی رحمتوں سے صحیح معنی میں فیض یاب ہو جاؤ گے، اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ رات عطا فرمائی، اس کی قدر پہچاننی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک رات کی قدر کرنے اور اس رات میں عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ